صلی اللہ علیہ وسلم

رضوان اللہ علیہم اجمعین

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

لکھنؤ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ہمارے مطاع ومقتدا

رب العالمین کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں کو عطا کردہ جو شریعت ہے اور زندگی کی صلاح اور فلاح کے لیے جو احکام ہیں، وہ ہم کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے توسط سے ہی ملے ہیں، صحابہ کرام کا ایمان وتقویٰ اتنا عظیم اور محکم تھا کہ اللہ رب العالمین کی طرف سے اپنے دین کو بے کم وکاست پہونچانے اور کمال دیانت داری کے ساتھ آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کے لیے حضرات صحابہ کو ذریعہ بنایا گیا، اس طرح شریعت اسلامی اور دین متین جو ہم کو پہونچا، اس کی صحت وحقانیت کو اعتبار واعتماد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی امانت ودیانت ہی سے حاصل ہوا، اور یہ اعتماد رب العالمین کی طرف سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس دین متین کے احکام وتفصیلات کو بیان کرنے کے لیے اختیار کرنے سے بنا، اور خاتم الرسل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس جماعت کو جو محبت وعقیدت اور وابستگی تھی، اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے کے ساتھ ان حضرات سے بھی محبت کرنے کو ضروری بنا دیا، اس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ہمارے مطاع اور مقتدا بنے، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

سالانہ زرتعاون ₹400

۱۰ر دسمبر ۲۰۱۸ء

فی شمارہ ₹20

شعروادب

اے شہِ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

علامہ شبلی نعمانیؒ

کافروں نے یہ کیا جنگ اُحد میں مشہور
کہ پیمبر بھی ہوئے کشتۂ شمشیر و دم
ہو کے مشہور مدینہ میں جو پہنچی یہ خبر
ہر گلی کوچہ تھا ماتم کدۂ حسرت و غم
ہو کے بیتاب گھروں سے نکل آئے باہر
کودک و پیرو جوان و خدم و خیل و حشم
وہ بھی نکلیں کہ جو تھیں پردہ نشینانِ عفاف
جن میں تھیں سیدۂ پاک بھی بادیدۂ نم
ایک خاتون کہ انصاروں کو نام سے تھیں
سخت مضطر تھیں نہ تھے ہوش و حواس ان کے بہم
موقع جنگ پہ پہنچیں تو یہ لوگوں نے کہا
کیا کہیں تجھ سے کہ کہتے ہوئے شرماتے ہیں ہم
تیرے بھائی نے لڑائی میں شہادت پائی
تیرے والد بھی ہوئے کشتۂ شمشیر ستم
سب سے بڑھ کر یہ کہ شوہر بھی ہوا تیرا شہید
گھر کا گھر صاف ہوا ٹوٹ پڑا کوہِ الم
اس عفیفہ نے یہ سب سن کے کہا تو یہ کہا
یہ تو بتلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہِ امم
سب نے دی اس کو بشارت کہ سلامت ہیں حضورؐ
گرچہ زخمی ہیں سر و سینہ و پہلو و شکم
بڑھ کر اس نے رخِ اقدس کو جو دیکھا تو کہا
تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہیں سب رنج و الم
میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہِ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

☆☆☆☆☆

اداریہ

دعوتِ اسلام وایمان کے تئیں امت محمدیؐ کی ذمہ داری

شمس الحق ندوی

سیرت نگارانِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے ہیں کہ: جب اہل مکہ کی اذیتوں کا سلسلہ دراز ہونے لگا اور مشرکین وکفار کی اسلام سے کراہت اور اس کی ناقدری اور حقارت بڑھ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا قصد فرمایا، وہاں جو کچھ گزری وہ مکہ سے بھی کہیں زیادہ سخت تھی، اہل طائف جن پر مال و دولت کا نشہ طاری تھا، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا اور شہر کے اوباش لوگوں اور غلاموں کو آپؐ کے ستانے پر مامور کردیا، یہ آپ کو گالیاں دیتے، شور مچاتے اور آپؐ پر پتھر پھینکتے، اس بے کسی اور کرب کے عالم میں آپؐ پناہ لینے کے لیے ایک کھجور کے درخت کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے، طائف میں آپ کو جتنا ستایا گیا، وہ مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں سے کہیں زیادہ تھا، انھوں نے راستہ کے دونوں طرف اپنے آدمی کھڑے کردیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قدم بھی اٹھاتے تو کسی طرف سے پتھر آپؐ پر پھینکا جاتا، حتیٰ کہ آپؐ کے دونوں پیر زخموں سے لہولہان ہوگئے، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپؐ کے پاس بھیجا اور اس نے آپؐ سے اس کی اجازت طلب کی کہ وہ ان دونوں پہاڑوں کو جن کے درمیان طائف واقع ہے ملادے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا: کہ نہیں! مجھے امید ہے کہ ان کی اولاد میں سے کوئی ایسا پیدا ہوگا جو خدائے واحد کی عبادت کرے گا اور اس کے ساتھ کسی اور ہستی کو شریک نہ ٹھہرائے گا۔

اتنی سخت ایذا رسانیوں کے بعد بھی کہ راستہ چلنا دشوار تھا، گالی گلوج شور وشرابے سے آگے بڑھ کر پتھروں کی بارش ہورہی ہے، نہایت بے بسی کا عالم ہے، کوئی پرسان حال نہیں، کوئی یار ومددگار نہیں، ہر پڑھنے والا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچے کہ اگر اس کے ساتھ ایذا کا ایک فیصد بھی پیش آتا تو وہ ان ستانے والوں کے لیے اپنے دل میں کتنی گنجائش رکھتا، اور کیا موقع ملنے پر اور قابو پانے پر ان کو عبرتناک سزا نہ دیتا، لیکن محسن انسانیت کا یہ حال ہے کہ جب فرشتہ یہ کہتا ہے کہ اجازت ہو تو میں ان کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس دوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: نہیں! ایسا کیوں؟ جسم خون سے لہولہان ہے، جوتیاں پاؤں میں چپک گئی ہیں، پتھر مارنے والوں اور تحقیر وتذلیل کرنے والوں کی صورتیں سامنے ہیں، پھر بھی آپ فرماتے ہیں: نہیں!

اس کی وجہ یہ تھی کہ دوزخ وجنت کا نقشہ آپؐ کے سامنے تھا، خدا کو جھٹلانے والے آگ میں کودتے نظر آرہے تھے، جہنمیوں کے اس ہیبت ناک منظر کے سامنے اپنے اوپر جو کچھ بیت رہی تھی، اس کا احساس کم تھا، فکر تھی تو یہ کہ ان آگ میں کودنے والوں کو کیسے بچایا جائے، لہٰذا آپ اپنی تکلیف بھول کر فرشتہ کو جواب دیتے ہیں: نہیں، ممکن ہے کہ ان کی نسلوں میں کوئی ایمان لائے، دراصل داعی کی مثال اس ملاح کی سی ہوتی ہے جو انسانی کنبہ کی کشتی کو طوفانی موجوں میں ہچکولے کھاتے ہوئے دیکھتا ہے اور یہ نظر آتا ہے کہ کشتی اب ڈوبی تب ڈوبی تو وہ اپنی ہر تکلیف وخطرہ کو بھول کر اس کشتی کے بچانے کے جتن کرتا ہے، انسانیت سے محبت اور اس کی نجات کا سودا اس کے سر میں ایسا سمایا ہوتا ہے کہ دیکھنے والا اس کا اندازہ لگا ہی نہیں سکتا جب تک اس کو بھی اس کی تڑپ وبے کلی کی کوئی چنگاری نہ نصیب ہوجائے، بانی جماعت دعوت تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب دعوت کا کام میوات جیسے سنگ لاخ علاقہ سے شروع فرمایا تو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، بعض مخلصین فرماتے کہ اپنے علم کو ان دیہاتوں میں کہاں ضائع کررہے ہو؟ مگر مولانا پر دعوت کی بے کلی طاری ہوچکی تھی، مولانا وراثت نبوت کے اس مقام کو پہنچ چکے تھے جہاں بدیر ومشکل پہنچا جاتا ہے، لہٰذا دعوت کی تڑپ وبے چینی کسی کروٹ چین نہیں لینے دیتی تھی، اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں کا یہ حال کہ وہ گوبر تک کو پوج رہے ہیں، اسلام سے وہ کوسوں دور ہیں، مولانا کو مارگزیدہ کی طرح تڑپا رہا تھا، اور دعوت کا مولانا پر ایسا حال طاری ہوگیا تھا کہ کسی کل چین نہیں پڑتا تھا، اور عجب انداز سے لوگوں کو اس کام کی طرف بلاتے اور رغبت دلاتے تھے، ایک موقع پر لکھنؤ میں حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا:

''بھائیو! میں ایک ابتلاء میں گرفتار ہوں، دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اس سے نکالیں، جب سے میں یہ دعوت لے کر کھڑا ہوا ہوں، لوگ مجھ سے محبت کرنے

لگے ہیں، مجھے یہ خطرہ ہونے لگا ہے کہ مجھ میں اعجاب نفس نہ پیدا ہو جائے، میں بھی اپنے کو بزرگ نہ سمجھنے لگوں، میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس ابتلاء سے بسلامت نکال لیں، آپ میرے حق میں دعا فرمادیں''۔[یادرفتگاں: علامہ سید سلیمان ندویؒ]

داعی امت کا ایک فرد ہوتا ہے جو نیابت رسولؐ کا فریضہ انجام دیتا ہے، لہٰذا اس میں وہ تڑپ و بے چینی بھی ہونی چاہیے جو داعی اول میں تھی، علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی احوال و کیفیات کا ذکر قرآن پاک میں بار بار آیا ہے اور ہر بار یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کا کتنا غم تھا ایسا غم کہ جس کے بوجھ سے پشت مبارک ٹوٹی جارہی تھی ارشاد ربانی ہے: "اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ" [شرح:۲،۳] (کیا ہم نے تمہارے سینہ کو نہیں کھول دیا اور تم سے اس بوجھ کو نہیں اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ کو توڑ دیا تھا)۔امت کے غم سے یہ حال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا جینا دوبھر معلوم ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے تسلی دی اور فرمایا: "لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ" [شعراء:۱-۳] (تو کیا اس بات پر آپ اپنی جان گھونٹ ڈالیں گے کہ یہ ایمان نہیں لاتے۔[مقدمہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت]

دعوت و تبلیغ کا اصل محرک بندگان خدا پر شفقت و رحمت اور خیر خواہی کا جذبہ ہے جو دل میں یہ کسک و ٹیس پیدا کرتا ہے کہ امت کی اصلاح کیونکر ہو، لہٰذا داعی کا اولین فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ دعوت کی بانسری محبت و اخلاق کریمانہ کی لے میں بجائے اور دلوں کو گرمائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن کی سمت دو صحابیوں کو اسلام کا داعی بنا کر بھیجا تو ان کو یہ نصیحت فرمائی: "یسّرا و لا تعسّرا، بشّرا و لا تنفّرا" (تم لوگوں کو آسانی کی راہ بتانا ان کو دقت میں نہ ڈالنا، انھیں خوشخبری سنانا اور نفرت نہ دلانا)۔

خصوصاً وہ حضرات جن کو اللہ تعالیٰ نے دعوت و تبلیغ کے کام سے جوڑا، اور اس فکر و لگن کے ساتھ ان کو مختلف شہروں اور ملکوں میں پھرایا ہے، ان کو خصوصاً اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ ان کے کسی قول و عمل سے کسی کی دلآزاری نہ ہو، ان کے وہ اوقات جو سفر سے واپس آکر اپنے گھر اور ماحول میں گزرتے ہیں، ان میں کوئی ایسی بات نہ پیش آنے پائے جو لوگوں میں بدگمانی اور بددلی پیدا کرے کہ زبانی دعوت سے کہیں بڑھ کر عمل و کردار کی دعوت ہوتی ہے جو از خود دلوں کو کھینچتی ہے، اور اس میں معمولی کوتاہی بڑے غلط اثرات چھوڑتی ہے، ہمارا دوسرے شہروں اور ملکوں میں جانا اور نکلنا جہاں دوسروں کو خیر کی طرف بلانے کی خاطر ہوتا ہے، وہیں اپنی سیرت و اخلاق کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنا مقصود ہوتا ہے، دعوت کا کام ایسا مبارک کام ہے کہ معمولی سے معمولی آدمی کو محبوب بنادیتا ہے، ہر جگہ وہ عزت و اکرام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے وہیں یہ خطرہ اور اندیشہ ہوتا ہے کہ دعوت کا کام کرنے والا کہیں فریب نفس میں نہ مبتلا ہو جائے، یہی وجہ تھی جس کی بناء پر حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے فرمایا تھا کہ بھائیو! میں آج کل امتحان میں مبتلا ہوں، میرے لیے دعا کریں کہ مجھ میں غرور نہ پیدا ہو جائے، میں اپنے کو بزرگ نہ سمجھنے لگوں، بہت ڈرنے کی بات ہے کہ مولانا جیسا ولی کامل اگر یہ کہہ سکتا ہے تو ہم جیسے ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کو اپنی کس درجہ فکر رکھنی چاہیے کہ خدانخواستہ کہیں ہماری کسی کوتاہی سے کوئی شخص نفس دعوت کے کام سے بدگمان ہو جائے جو بڑے خسارے کی بات ہوگی، خصوصاً حقوق العباد کا پہلو ہمارے دیندار گھرانوں میں اور دین کے نمائندہ طبقہ تک میں بہت کمزور ہو گیا، باہمی لین دین اور آپسی معاملات، حقوق کی ادائیگی اور ایک دوسرے کا خیال اتنا کم ہو گیا ہے کہ بڑے بڑے مجاہدات کو بے اثر بنادیتا ہے اور ہمارے ذکر و تسبیح کو فریب کا جال ثابت کرتا ہے، یہی وجہ تھی کہ بانی جماعت دعوت و تبلیغ اور مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کے ملفوظات و تقریروں میں ادائیگی فرض، حقوق العباد کی رعایت اور صفائی معاملات پر بڑا زور دیا گیا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں:

''بھائیو! مومنین کی خدمت عبدیت کا اصل مقام ہے، عبدیت کیا ہے؟ جو مومنین کے لیے ذلیل ہونے کی عزت کو حاصل کرلے، یہی ہماری تحریک کا اولین اصول ہے اور یہ ایک ایسا اصول ہے کہ کوئی اجتہادی (یعنی علمائے کرام تقلیدی (عوام الناس) یا مادی (جو لوگ ہر کام کو دولت یا دنیا کے حصول کے لیے کرتے ہیں) اس کی تردید نہیں کرسکتا''۔[مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دعوت]

☆☆☆☆☆

نبی رحمتؐ

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

"وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ" [الانبیاء:۱۰۷] (اور ہم نے آپ کو سارے عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے)۔

اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ساری انسانیت کو بتادیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے خاص طور پر سارے عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، یعنی آپؐ کی وجہ سے ساری انسانیت کو فائدہ پہنچ رہا ہے، جو مسلمان ہوگئے ہیں ان کو اس طرح کہ وہ اللہ والے ہوگئے، اور جو نہیں ہوئے ان کو بھی اس طرح پہنچ رہا ہے کہ زندگی گذارنے کا قرینہ ان کو حاصل ہوگیا ہے، اس لیے کہ یہ دین جامع ہے، اور پوری انسانی زندگی پر محیط ہے، اس میں زندگی کے سارے شعبے اور پہلوؤں کا لحاظ رکھا گیا ہے، ورنہ اور ادیان میں عبادت تک بات ختم ہوجاتی ہے، ان میں عبادت کے بعد جو چاہو کرو، زندگی کے دوسرے پہلوؤں کے سلسلہ میں ان کے یہاں کوئی رہنمائی نہیں ہے، انسان کو بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کہ تم اپنی عقل سے مسئلہ حل کرلو، لیکن ہدایات نہیں ہیں، اگر کسی کو ان ہدایات سے مستفید ہونا ہے تو وہ صرف مذہب اسلام میں ہیں، اس میں زندگی کے ہر شعبے کے لیے ہدایات ہیں، اور صرف ہدایات ہی نہیں ہیں، بلکہ ان ہدایات پر عمل بھی ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں معاشرہ ترقی کرتا ہے، اور اگر اس میں کوئی سستی ہوتی ہے تو اللہ کا نظام یہ ہے کہ اس امت میں ہر دور میں اتنے افراد اور اتنے صلحاء گذرتے رہے ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا، یہ اسی لیے ہوا ہے تاکہ انسانی حالات اچھے رہیں اور معاشرہ ترقی کی اعلیٰ مثال بن سکے۔

دین اسلام کا یہ وہ فطری نظام ہے جس کو دیکھ کر غیر مسلموں کو غیر معمولی فائدہ پہنچا ہے، گویا اگر اس زمین پر مسلمان نہ ہوتے تو غیر مسلموں کی حالت اور زیادہ بدتر ہوتی، یہ بات بغیر کسی تردد کے کہی جاسکتی ہے کہ ان میں بہت سی اچھائیاں مسلمانوں کی صحبت ہی سے آگئی ہیں، وہ اسلام تو نہ لائے لیکن اسلامی تعلیمات سے متاثر ضرور ہوئے۔

اسلام آنے سے قبل خود ہمارے ملک کا حال یہ تھا کہ یہاں کے لوگ ننگے رہتے تھے، وہ ایک چادر لپیٹ لیتے اور کپڑا لپیٹ لیتے، اور تقشف ورہبانیت میں لگے رہتے تھے، اپنی زندگی جانوروں کی طرح گذارتے تھے، ان کے یہاں کھانے کا بھی کوئی سلیقہ نہ تھا، اسی لیے جب اسلامی تہذیب کو انہوں نے دیکھا تو انہوں نے بہت سی باتیں مسلمانوں سے سیکھیں، جس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے کے ساتھ غیر مسلموں کو بھی بے تحاشہ فائدہ پہنچایا ہے۔

یورپ کی حالت پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ جب اسلام آیا، اس وقت اس کی حالت نہایت ناگفتہ بہ تھی، وہاں علم کو جرم سمجھا جاتا تھا، کوئی تعلیم حاصل نہیں کرسکتا تھا، حصول علم پر باقاعدہ سزا ہوتی تھی، اس لیے کہ ان کے جو پادری ہوتے تھے ان کا تسلط تھا، بادشاہ بھی ان کی بات ماننے پر مجبور تھا، اگر کوئی علم کی بات کرتا تو اس کی سزا ہوتی تھی، کئی لوگوں کو اسی بات پر پھانسی دی گئی، اسی طرح ان کے یہاں علاج کا بھی کوئی نظم نہ تھا، جادو ٹوٹکے اور عملیات ہی سے وہ علاج کرتے تھے، دواؤں کا ان کے یہاں کوئی تصور نہ تھا، بالکل جانوروں والی زندگی تھی، لیکن مسلمانوں نے ان میں علم کا شعور پیدا کیا، جس کو متفقہ طور پر سب ہی مانتے ہیں اور وہ تہذیب وتمدن سے آشنا ہوئے۔

غرض کہ اسلام کے آنے سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں سے ساری دنیا کو فائدہ پہنچا، اس وقت ہم اور آپ دنیا میں جو خیر دیکھ رہے ہیں، یہ مسلمانوں اور اسلام ہی کی برکت ہے، اگرچہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ یورپ کی دین ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے خود سب کچھ مسلمانوں ہی سے سیکھا، صحبت سے غیر معمولی اثر پڑتا ہے، اگر آپ نیک آدمی کی صحبت میں رہیں گے تو آپ اس کی نیکیاں سیکھ لیں گے، اور برے آدمی کی صحبت میں رہیں گے تو برائیاں سیکھ لیں گے، تو مسلمانوں کی صحبت اور ان کے اثر سے جو غیر مسلموں کو فائدہ پہنچا، اس کی وجہ سے ان میں تہذیب آگئی، اس سے پہلے وہ شائستہ نہ تھے، وہ جانوروں والی زندگی گذارتے تھے، علم کو برا سمجھتے تھے، لیکن اسلام کے بعد ان کے تمام نظریے بدل گئے۔

معلوم ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ساری کائنات اور سارے عالموں کے لیے رحمت کا ذریعہ بنی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ایک مرتبہ اسی موضوع کو اپنی سیرت کی ایک تقریر میں بیان کررہے تھے، چنانچہ انہوں نے اپنی تقریر میں ایک پرلطف کیفیت کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا نتیجہ ہے کہ آج یہ لاؤڈ اسپیکر ہمارے سامنے ہے، جس سے ہم آواز کو تیز کرسکتے ہیں، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات

نہ آئی ہوتیں، اور مسلمانوں کی تہذیب اور ان کی شائستگی اور دین داری لوگوں کے سامنے نہ آتی تو دنیا ترقی کی ان منازل سے کبھی بھی ہم کنار نہ ہوتی۔

مسلمانوں کا جو علم سے تعلق رہا ہے وہ غیر معمولی ہے، موجودہ دور میں جو غیروں کے یہاں علم کی رمق نظر آتی ہے، یہ سب غیروں نے مسلمانوں ہی سے سیکھا ہے خواہ وہ نہ مانیں، لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ ان کے پاس کچھ نہ تھا، جب علم ہی نہیں تھا تو کیا تھا، اب جو ساری ایجادات آرہی ہیں، گرچہ کہنے کو ان کی ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ ان کو شعور کہاں سے پیدا ہوا، لامحالہ اس کا جواب یہی ہوگا کہ یہ شعور مسلمانوں ہی سے ان میں آیا، علم کی طرف توجہ کرنے اور تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ یہ سب انہوں نے مسلمانوں ہی سے سیکھا اور اس میں ترقی کرتے چلے گئے، اور مسلمان اس میں غفلت کرنے لگے تو پیچھے چلے گئے، لیکن سیکھا انہوں نے مسلمانوں سے ہی ہے، غرض کہ اس وقت جو کچھ بھی ہم اور آپ اس دنیا میں اچھی بات یا اچھا نظام دیکھ رہے ہیں، یہ اکثر وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا نتیجہ ہے، اور مذکورہ آیت میں انہیں تمام حقائق کی طرف روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، یہ کوئی معمولی جملہ نہیں ہے، اس کو یوں سمجھیں کہ آپؐ کی بعثت سے پوری دنیا سنبھل گئی، اس میں معقولیت آگئی، دنیا کے لوگ جانور بنے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انسان بنا دیا، بس یہ ایک کسر رہ گئی کہ وہ مسلمان بھی ہو جاتے، شریعت پر پوری طرح عمل کرنے لگتے، لیکن ایسا انہوں نے اپنی ضد میں نہ کیا، البتہ شائستگی اور معقولیت اور خیر کی تمام چیزوں کو مسلمانوں ہی سے حاصل کیا۔

☆☆☆☆☆

ہماری مطبوعات

☆ عمدہ کاغذ ☆ بہترین طباعت ☆ خوبصورت سرورق

نمبر شمار	اسمائے کتب	قیمت
۱	زعیمان لحرکۃ الاصلاح	70/=
۲	روداد چمن	200/=
۳	الصحافۃ العربیۃ	160/=
۴	تمرین الصرف	55/=
۵	رسالۃ التوحید	60/=
۶	دیوان الحماسۃ (اول)	165/=
۷	دیوان الحماسۃ (دوم)	165/=
۸	فتاویٰ ندوۃ العلماء (اول)	350/=
۹	فتاویٰ ندوۃ العلماء (دوم)	400/=
۱۰	فتاویٰ ندوۃ العلماء (سوم)	400/=
۱۱	مختار الشعر العربی (اول)	15/=
۱۲	مختار الشعر العربی (دوم)	18/=
۱۳	العقیدۃ السنیۃ	20/=
۱۴	تاریخ الادب العربی (الاسلامی)	125/=
۱۵	تاریخ الادب العربی (الجاھلی)	70/=
۱۶	مقدمہ شیخ عبدالحق دہلویؒ	50/=
۱۷	اسلام کی تعلیم	16/=
۱۸	تفہیم المنطق	150/=
۱۹	مبادی علم اصول الفقہ	20/=
۲۰	سوانح صدر یار جنگؒ	200/=
۲۱	مختار من صفۃ الصفوۃ	150/=
۲۲	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	55/=
۲۳	اصول الشاشی	60/=
۲۴	علم اصول الفقہ	100/=
۲۵	حیات عبدالباریؒ	150/=
۲۶	تاریخ ندوۃ العلماء (اول)	170/=
۲۷	تاریخ ندوۃ العلماء (دوم)	180/=

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ	9889378176
مکتبۂ اسلام، امین آباد، گوئن روڈ، لکھنؤ	9415912042
مکتبہ الفرقان، نظیر آباد، لکھنو	9936635816
مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ	9198621671
مکتبہ طوبیٰ، ندوی منزل، ندوہ روڈ، لکھنؤ	9005505629

ایک ضروری اعلان: بعض ناشرین کتب نے مجلس صحافت ونشریات کی کتابیں غیر قانونی طور پر طبع کرالی ہیں، اس لیے قارئین سے گذارش ہے کہ مجلس کی جملہ درسی وغیر درسی کتابیں درج بالا مکتبوں ہی سے خریدیں اور بذریعۂ ڈاک بھی طلب کریں، مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ آپ کا یہ نہایت مخلصانہ تعاون ہوگا۔

ناشر:

مجلس صحافت ونشریات

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

نجوم تاباں

مسلمانوں میں جو کچھ خیر ہے صحابہؓ کی برکت ہے!

● .....امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

فضائل صحابہؓ قطعی ومتواتر ہیں

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرامؓ کی عدالت کو اسلام کی ایک اہم بنیاد مانتے ہیں، اور ان کو ان کی صداقت، ثقاہت پر بڑا یقین ہے، وہ ان کو اسلام کی تعلیم کا سچا نمونہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور فیض صحبت کا بہترین نتیجہ تسلیم کرتے ہیں، ان کے نزدیک صحابہ کرامؓ کے فضائل ایسے قطعی اور متواتر ہیں، اور قرآن مجید کی ایسی صریح نصوص وآیات سے اور ایسی صحیح احادیث وروایات سے ثابت ہیں کہ وہ کسی تاریخی روایت یا کسی غریب وشاذ حدیث سے مشکوک نہیں ہوسکتے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

جب کتاب وسنت اور نقل متواتر سے صحابہ کرامؓ کے محاسن وفضائل ثابت ہوچکے ہیں، تو یہ درست نہیں کہ وہ ایسی منقولات سے رد ہوجائیں، جن میں سے بعض منقطع ہیں، بعض محرف ہیں، اور بعض ایسی روایات ہیں جن سے ان ثابت شدہ حقائق پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لیے کہ یقین، شک سے زائد نہیں ہوا کرتا، ہم کو کتاب وسنت، اور اپنے پیشروؤں کے اجماع اور ان کی مؤید اور متواتر روایات اور عقلی دلائل سے اس بات کا یقین ہوچکا ہے کہ صحابہ کرامؓ انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل الخلق تھے، اس یقینی ومتواتر چیز پر ان امور کا اثر نہیں پڑسکتا جو مشکوک ومشتبہ ہیں، چہ جائیکہ جن کا باطل ہونا ظاہر ہوچکا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی

صحابہ کرامؓ اخیار امت ہیں، امت محمدی میں کوئی ایسا گروہ نہیں ہے جو ان سے زیادہ ہدایت اور دین حق پر مجتمع اور تفرق واختلاف سے دور ہو، ان کی زندگی میں کوئی نقص کی بات بھی نظر آتی ہے تو اگر اس کا کسی دوسری امت کے حالات وزندگی سے مقابلہ کیا جائے تو اس کے مقابلہ میں اس کی کوئی حقیقت نہیں معلوم ہوتی، غلطی اس شخص کی ہے جس کو سفید کپڑے کی تھوڑی سی سیاہی تو نظر آتی ہے اور سیاہ کپڑے کی تھوڑی سی سفیدی نظر نہیں آتی، یہ بڑی نادانی اور بڑا ظلم ہے کہ اگر ان اکابر کا اپنے ہم مرتبہ لوگوں سے مقابلہ کیا جائے تو پھر ان کی فوقیت اور ان کی ترجیح ظاہر ہوجائے گی یہ کہ کوئی شخص اپنے دل میں کوئی خیالی تصویر بنالے یا کوئی معیار تجویز کرلے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نہ کیا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، ایک شخص اپنے دل میں ایک امام معصوم کا تصور قائم کرلیتا ہے، ایک شخص ایک اور ایسے امام کا تصور قائم کرتا ہے جس میں اور معصوم میں کوئی فرق نہیں اگر چہ اس کو صاف صاف معصوم نہیں کہتا، اور وہ تجویز کرتا ہے کہ عالم کو یا شیخ کو یا امیر کو یا بادشاہ کو ایسا ہی ہونا چاہئے اور خواہ وہ کیسا ہی کثیر العلم، کیسا ہی دین دار صاحب محاسن ہو اور اس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے کیسے ہی خیر کے کام کرائے ہوں، لیکن یہ تجویز کرتا ہے کہ اس کو ایسا کامل العلم ہونا چاہیے کہ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو، اور وہ کسی بھی مسئلہ میں غلطی نہ کرے، وہ بشریت کے لوازم وخصائص سے پاک ہو، کبھی اس کو غصہ نہ آتا ہو، تو اس کا کوئی علاج نہیں، بلکہ بہت سے لوگ تو ان ائمہ کے متعلق وہ تجویز کرتے ہیں، جو انبیاء تک کے لیے تجویز نہیں کرتے ہیں۔

مسلمانوں میں جو کچھ خیر ہے، صحابہ کرامؓ کی برکت ہے

جس شخص نے دنیا کے تمام فرقوں کے حالات وواقعات کا اہتمام سے مطالعہ کیا ہے، اور ان کے حالات کا تتبع کیا ہے وہ جانتا ہے کہ کوئی گروہ ایسا نہیں گذرا جو ہدایت اور رشد پر صحابہ کرامؓ سے زیادہ مجتمع اور تفرق واختلاف سے ان سے زیادہ دور ہو، ان صحابہ کرامؓ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے کہ وہ اس کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں، وہ فرماتا ہے تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو، اس وقت سے لے کر قیامت تک مسلمانوں کے پاس جو کچھ خیر ہے مثلاً ایمان واسلام، قرآن، علوم ومعارف، عبادات، دخول جنت، جہنم سے نجات، کفار پر غلبہ، اللہ کے نام کی بلندی، وہ سب صحابہ کرامؓ کی کوششوں کی برکت ہے، جنہوں نے دین کی تبلیغ کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا، جو مومن بھی اللہ پر ایمان لایا اس پر صحابہ کرامؓ کا احسان قیامت تک رہے گا، اور دیگر حضرات کو بھی جو کچھ خیر حاصل ہے وہ صحابہ کرامؓ کی برکت سے، اور صحابہ کرامؓ کی خیر خلفائے راشدین کی خیر کی تابع ہے، اس لیے کہ وہ دین ودنیا کی ہر خیر کے ذمہ دار وسرچشمہ تھے۔

[تاریخ دعوت وعزیمت: ج۲/ص۱۴۰-۱۴۳]

☆☆☆☆☆

چراغ راہ

اغراض وتعصّبات سے مکمل آزادی کی ضرورت

● مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی ترجمانی: محمد فرمان ندوی

پوری انسانی تاریخ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک انسانی اقدار کے فروغ کی غیر معمولی کوششوں سے معمور ہے، انسان نے برابر علم و سعادت مندی کے حصول کے لیے انتھک کوششیں صرف کی ہیں، تاکہ وہ محبت والفت کے ماحول میں زندگی گذار سکے، اور نیکی اور تقوی کی بنیاد پر ایک دوسرے کا تعاون کر سکے، بلاشبہ باہمی تعاون تمام معاشرتی اکائیوں میں پرسکون زندگی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اور عدم تعاون سے فساد وانتشار کی فضاء قائم ہوتی ہے، اور بے کیفی اور بدمزگی جنم لیتی ہے، اور معاشرہ جہنم کدہ ہو جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کوئی معاشرہ باہمی تعاون کے عنصر سے خالی نہیں رہ سکتا، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس تعاون سے بے شمار کارنامے وجود میں آتے ہیں، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اگر تعاون حق کی راہ میں ہے، تو اس کے اچھے نتائج ظاہر ہوں گے اور اگر باطل کے لیے ہے تو برے نتائج ظاہر ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال قرآن کریم میں اچھے کلمے اور برے کلمے سے دی ہے: "أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ، تُؤتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا، وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الأَمْثَالَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ" [ابراھیم:۲۴،۲۵] (اچھے کلمے کی مثال پاکیزہ درخت سے جس کی جڑیں زمین میں پیوست ہوں اور شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہوں، اور برے کلمے کی مثال اس گندے درخت سے دی ہے، جو زمین کے اوپر ہی اوپر اکھاڑ لیا جائے، اور اسے کچھ بھی ثبات نہ ہو)۔

ہر کوشش اور عمل میں سنجیدگی اور غیرت و خودداری ہی اس کی کامیابی کی ضامن ہے، اور اگر اس میں ان کا فقدان ہے تو اس کے نتیجہ میں انتشار و افتراق اور لاقانونیت کا پیدا ہونا ناگزیر ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے معجزانہ اسلوب میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے: "وَأَنْ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعَى، وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى، ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الأَوْفَى" [سورۂ نجم:۳۹-۴۲] (ہر انسان کے لیے وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی، اور اس کی کوشش بہت جلد دیکھ لی جائے گی، پھر اس کو بھرپور بدلہ دیا جائے گا)۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے اللہ کی مرضیات کے مطابق زندگی گذاری، اور پوری زندگی کو اسی کے تابع کر دیا، اور جس نے دنیوی مال ومتاع کو آخروی انعامات پر ترجیح دی، وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَأَمَّا مَنْ طَغَى وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَى، وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى" [النازعات:۳۷-۴۱] (جس نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دیا، تو جہنم اس کا ٹھکانہ ہے، اور جو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرا، اور اس نے نفس کو خواہشات سے دور رکھا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے)۔

سورۂ نجم کی آیت میں "انسان" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی عظیم مخلوق ہے، اسی کے اردگرد پورا نظام ارضی وسماوی گردش کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا، اور نوع بنوع کے وسائل و ذرائع عطا فرمائے، اور زندگی گذارنے کے لیے ایک نظام اور دستور بھی دیا، جو شخص اس نظام سے مربوط ہو کر زندگی گذارے گا، اور قرآنی رہنمائیوں کے مطابق اس کی زندگی ہوگی، تو اس کے لیے ہر جگہ اور ہر زمانہ میں دائمی کامیابی مقدر ہوگی، اس کے برخلاف اگر اس کو دنیوی چمک دمک نے دھوکہ میں رکھا، اور وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ادراک نہ کر سکا، اور اس کے لطف و کرم سے دور رہا، اور اس نے اپنی عقل ودانش کو بھی استعمال نہیں کیا تو اس کو ہر مرحلہ میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا، انسانیت کا وجود دراصل رب کائنات کی محکم تدبیر کا نتیجہ ہے، اسی نے انسان کو مرد وعورت کے مخلوط نطفہ سے پیدا کیا، آزمائش اور امتحان کے لیے، پھر وہ سننے اور دیکھنے والا ہو گیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ، فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعاً بَصِيراً، اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ اِمَّا شَاكِراً وَاِمَّا كَفُوراً" (بے شک ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا مخلوط نطفہ سے کہ ہم اسے آزمائیں، سو ہم نے اسے سنتا دیکھتا بنایا، ہم ہی نے اس کو راستہ بتایا (پھر) یا تو وہ شکر گذار (ہوا) اور یا کافر ہو گیا)۔

انسان کی تخلیق اس مادی دنیا میں مرد وعورت کے ذریعہ ہوئی، اور اس کو انسانیت کا تمغہ امتیاز دیا گیا جو قوت سمع وبصر میں خاص طور نمایاں ہے، اور

وہی اس کے لیے عزت وسعادت کے راستے ہموار کرتی ہے، چنانچہ انسان یا تو اللہ کا شکر گذار ہوتا ہے، یا ناشکرا ہوتا ہے، سید قطب شہیدؒ فی ظلال القرآن میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

''اللہ نے انسان کو سننے اور دیکھنے والا بنایا ہے، یعنی اس کو ایسے وسائل فہم وادراک دئے ہیں، جن کے ذریعہ وہ دوسری معلومات حاصل کرسکتا ہے، اور اشیاء اور قدروں کی معنویت کا احساس کر کے ان سے استفادہ کی شکلیں تلاش کرسکتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس نوع انسانی کی خلقت میں بے شمار حکمتیں پوشیدہ رکھی ہیں، یہ کوئی اتفاقی معاملہ نہیں، بلکہ حکمت والے اور غالب اللہ کا بنایا ہوا نظام ہے''۔

یہ دنیا دارالامتحان ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ امتحان اس لیے رکھا ہے، تاکہ معلوم ہوجائے کہ کون اس کا اطاعت گذار ہے اور کون نافرمان، اسی حقیقت کو کبھی سورۂ والعصر میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: "وَالْعَصْرِ ، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ، اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" (قسم ہے زمانہ کی کہ انسان گھاٹے میں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، اور نیک عمل کئے اور حق کی ایک دوسرے کو تلقین کی اور صبر کی نصیحت کی) اور کبھی سورۂ معارج میں ان الفاظ میں آیا ہے: " اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعاً ، اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعاً ، وَ اِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوْعاً اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلَی صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ ، وَالَّذِیْنَ فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُوْمٌ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ" [معارج:۱۹-۲۵] (انسان بے ہمت پیدا کیا گیا ہے، جب اسے دکھ پہنچتا ہے تو ہائے ہائے کرنے لگتا ہے، اور جب اسے خوشحالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے، ہاں البتہ نمازی (اس حکم میں نہیں) جو اپنی نماز میں برابر لگے رہتے ہیں اور جو اپنے مال میں حق رکھتے ہوں جانا ہوا سوالی اور بے سوالی کا) اور سورۂ بنی اسرائیل میں الفاظ میں آیا ہے: "وَاِذَا اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهِ ، وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ یَؤُوْساً" [بنی اسرائیل:۸۲،۸۳] (اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے، اور اپنی کروٹ پھیر لیتا ہے، اور جب اسے کوئی تکلیف پہونچتی تو ناامید ہوجاتا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کی گمراہیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: "كَمَثَلِ الشَّیْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ، فَلَمَّا كَفَرَ ، قَالَ اِنِّیْ بَرِیْءٌ مِّنْكَ ، اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِیْنَ" [حشر:۱۶] (ان کی مثال شیطان کی سی ہے جو انسان سے کہتا ہے کہ کافر ہوجا، پھر جب وہ کافر ہوجاتا ہے تو شیطان کہنے لگتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں)، اور اللہ تعالیٰ انسان کی مزاج میں آنے والی تبدیلیوں کا تذکرہ اس طرح فرماتا ہے: "فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَاَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَیَقُوْلُ رَبِّیْ اَكْرَمَنِ ، وَاَمَّا اِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهُ فَیَقُوْلُ رَبِّیْ اَهَانَنِ" [فجر:۱۵،۱۶] (اب رہا انسان تو اسے اس کا پروردگار جب آزماتا ہے یعنی اسے انعام واکرام دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری قدر بڑھادی، اور جب وہ اسے (اس طرح) آزماتا ہے کہ اس پر اس کی روزی تنگ کردیتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے بے قدر کردیا)۔

دنیا کی تاریخ میں انسانوں کے متعدد طبقات اور جماعتیں پائی گئیں، ان میں کچھ ایسی ہیں جو اپنے مقصد حقیقی کو فراموش کر بیٹھی تھی اور جہالت و پستی کی کھائی میں پڑی تھیں، نہ ان کو اپنے روشن مستقبل کی تعمیر کی فکر تھی اور نہ آخرت کا خیال تھا، انہی جماعتوں اور طبقات کی اصلاح کے انبیائے کرام آتے رہے، انہوں نے انسانوں کو اللہ رب العزت سے جوڑا، اور اس کو اپنا حقیقی خالق ومالک ماننے کا درس دیا، اس کے لیے انہوں نے اپنے کو وقف کردیا، چنانچہ جن کے لیے ہدایت مقدر تھی وہ ایمان لائے اور اور جنہوں نے اپنے آپ کو ان سے دور رکھا وہ گمراہ ہوئے۔

سب سے اخیر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ان کی ذات سراپا رحمت تھی، اور پوری انسانیت کی نبی بنا کر بھیجے گئے، ان کو اسلام کی مکمل تعلیمات عطا کی گئیں، اور دین کو تکمیلی انداز میں انسانیت کے سامنے پیش کیا گیا، اور اس کو عام کرنے کے لئے ایسی امت برپا کی گئی جو خیر امت قرار پائی، اس کا مشن یہ تھا کہ وہ بھلائی کا مشورہ دیتی ہے، اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ پر ایمان رکھتی ہے۔

مثالی انسان کی تشکیل کے لیے ایسے اداروں، اور تعلیم گاہوں کی شدید ضرورت ہے جو مثبت انداز میں انبیاء کرام کے طریقہ پر لوگوں کی رہنمائی کا کام انجام دے سکیں، کیونکہ یہ ادارے صرف تعلیم ہی ذریعہ نہیں ہوں گے، بلکہ ان کی تربیت اور اصلاح کر کے ایک قابل تقلید معاشرہ وجود میں لائیں گے، اور امت کو اس عظمت رفتہ کی بحالی پر آمادہ کریں گے اور عمومی شعور کی بیداری میں معاون ہوں گے۔

بحمد اللہ مدارس اسلامیہ جو دنیا کے طول وعرض میں قائم ہیں، ان کے ذریعہ یہ مہتم بالشان کام انجام پارہا ہے، ماضی میں بھی یہ کام انہیں مدارس کے

ذریعہ ہوا ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے جے پور میں ۱۹۷۶ء میں کیے ہوئے خطاب میں فرمایا:

''جب انسانیت پر زوال آیا، جب اخلاقیات پر زوال آیا، اور جب لوگوں کو یہ نظر آنے لگا کہ یہ جو حق و باطل کی بات کہی جاتی ہے، یہ محض زیب داستان کے لیے کہی گئی ہے، اور اس کا کہیں وجود نہیں ہے، حق و باطل کوئی چیز نہیں ہے، حلال و حرام کوئی چیز نہیں ہے، کفر و ایمان کوئی چیز نہیں، غلط صحیح، صواب و ناصواب کوئی چیز نہیں، اصل چیز تو پیسہ ہے، اصل چیز تو طاقت ہے، اصل چیز عہدہ ہے، اصل چیز تو مواقع ہیں، اس وقت مدرسے نے ایسے لوگ پیدا کیے، کوئی ایسا آدمی لا کھڑا کر دیا، ایسا بلند قامت انسان، ایسا کوہ پیکر انسان، جس نے کہا: کچھ نہیں، ہم نہیں جانتے، اور اگر کسی کو اعتبار نہیں آتا تو ہمیں خرید کر دیکھ لے، اگر وہ ہمیں خرید سکتا ہے تو ہم مان لیں گے کہ دنیا میں اخلاقیات کوئی چیز نہیں، اور ان سب پر زوال آ گیا ہے تو مدرسہ نے ایسے لوگ پیدا کیے ہیں''۔[مدرسہ انسانیت کی ضرورت: ص۱۸]

یہ الفاظ انسانیت کے لیے صحیح اور معتبر افراد تیار کرنے والوں کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کافی ہیں، اور ان سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ مدارس نے ماضی میں کیا کارنامے انجام دیے ہیں اور آئندہ ان کے کیا منصوبے اور عزائم ہیں، ان کی کوششوں کا محور صرف دین اسلام تھا، اور وہ ربانی شریعت تھی، جس کو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، اور یہی حقیقی کامیابی اور دائمی فلاح کی بنیاد ہیں "قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ".

☆☆☆☆☆

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی جدید و دیدہ زیب طباعت

المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

یعنی امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی مفصل سوانح حیات، خاندانی خصوصیات، وہبی کمالات، خلفاء کی ترتیب زمانی میں حکمتِ الٰہی و مصلحتِ اسلامی، اسلام کے مفاد میں خلفائے ثلاثہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کا بے نظیر اخلاص و تعاون، خلافتِ مرتضوی کا عہد، اور اس کی عظیم مشکلات، بے نظیر زاہدانہ سیرت و مصلحانہ و مربیانہ کردار، فرزندانِ والا مرتبت (حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ) کی عطر بیز سیرت و اخلاق اور ان کے اپنے اپنے وقت میں صحیح فیصلے اور اقدامات، آلِ رسول (ساداتِ کرام) کے اعلیٰ اخلاق و شمائل، امت کی اصلاح و تربیت کی دائمی فکر، ہر عہد میں ان کا قائدانہ و اولوالعزمانہ کردار، مستند کتب تاریخ، ناقابل انکار واقعات وحقائق، اور تجزیاتی و تقابلی مطالعہ کی روشنی میں

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

صفحات: ۴۰۴۰ قیمت: ۲۸۰ روپے

تحفۂ انسانیت (حدیث مالوہ)

یہ کتاب مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے اس دورہ کی بولتی ہوئی روداد ہے جو انہوں نے حلقہ پیام انسانیت کے تحت بھوپال، اُجین، اندور اور مالوہ کا کیا تھا، جس میں جا بجا طلباء و اساتذہ، وکلاء و جج صاحبان، سیاسی و علمی شخصیتوں اور مذہبی رہنماؤں سے خطاب کیا گیا ہے، اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ اس وقت ملک کو اصل خطرہ کس چیز کا ہے اور علماء و دانشور طبقہ کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

صفحات: ۱۸۴ قیمت: ۱۰۰ روپے

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۹۳، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539، موبائل نمبر: 9889378176

ای میل: airpnadwa@gmail.com

فکر معاصر

وقت کا ایک اہم دینی واسلامی فریضہ

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

دنیا کے مختلف ملکوں خصوصاً یورپ میں توہین رسالت کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، ہالینڈ اور ڈنمارک کے بعد اس کا تازہ واقعہ مسلم ملک پاکستان میں پیش آیا اور مسلم حلقوں میں اس پر سخت ردعمل سامنے آیا، پوری دنیا جانتی ہے کہ مسلمان اپنے نبی اعظم شفیع امم سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور شان رسالت میں ادنی سی بھی توہین وگستاخی برداشت نہیں کرسکتے اور اہانت رسول کے ہر واقعہ پر اس کا مظاہرہ بھی ہوتا ہے اور سخت ردعمل سامنے آتا ہے، ذات گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں مسلمانوں کی حساسیت کا اندازہ برصغیر کے شاعر بلانوش اختر شیرانی مرحوم کے ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے جسے شورش کاشمیری نے اپنے رسالہ ''چٹان'' میں نقل کیا تھا اور بعد میں رسالہ ''الفرقان'' میں بھی شائع ہوا:

''ایک ہوٹل میں ایک دفعہ بعض کمیونسٹ نوجوانوں نے جو بلا کے ذہین تھے، ان (جناب اختر شیرانی) سے مختلف موضوعات پر بحث چھیڑ دی، اس وقت تک وہ دو بوتلیں چڑھا چکے تھے اور ہوش قائم نہ تھے، تمام بدن پر رعشہ طاری تھا، حتی کہ الفاظ بھی ٹوٹ ٹوٹ کر زبان سے نکل رہے تھے، ادھر ''انا'' کا شروع سے یہ حال تھا کہ اپنے سوا کسی کو نہیں مانتے تھے، جانے کیا سوال زیر بحث تھا، فرمایا، مسلمانوں میں تین شخص اب تک ایسے پیدا ہوئے جو ہر اعتبار سے ''جینیس'' بھی ہیں اور کامل الفن بھی، پہلے ابوالفضل، دوسرے اسداللہ خاں غالب، تیسرے ابوالکلام آزاد، شاعر وہ شاذ ہی کسی کو مانتے تھے، ہمعصر شعراء میں جو واقعی شاعر تھا اسے بھی وہ اپنے سے کمتر خیال کرتے تھے، کمیونسٹ نوجوان نے فیض کے بارے میں سوال کیا، طرح دے گئے، جوش کے متعلق پوچھا، کہا وہ ناظم ہے، سردار جعفری کا نام لیا، مسکرا دیئے، فراق کا ذکر چھیڑا، ہوں ہاں کرکے چپ ہوگئے، ساحر لدھیانوی کی بات کی، سامنے ہی بیٹھے تھے، فرمایا ابھی مشق کرنے دو، ظہیر کاشمیری کے بارے میں کہا، نام سنا ہے، احمد ندیم قاسمی؟ فرمایا، میرا شاگرد ہے، نوجوانوں نے دیکھا کہ ترقی پسند تحریک ہی کے منکر ہیں تو بحث کا رخ پھیر دیا۔

حضرت! فلاں پیغمبر کے بارے میں کیا خیال ہے؟ آنکھیں سرخ ہورہی تھیں، نشہ میں چور تھے، زبان پر قابو نہیں تھا، لیکن چونک کر فرمایا: ''کیا بکتے ہو؟ ادب وانشاء یا شعر وشاعری کی بات کرو'' کسی نے فوراً ہی افلاطون کی طرف رخ موڑ دیا، ان کے مکالمات کی بابت کیا خیال ہے؟ ارسطو اور سقراط کے بارے میں سوال کیا، مگر اس وقت وہ اپنے موڈ میں تھے فرمایا ''اجی پوچھو یہ کہ ہم کون ہیں، یہ ارسطو، افلاطون یا سقراط آج ہوتے تو ہمارے حلقے میں بیٹھتے، ہمیں ان سے کیا کہ ان کے بارے میں رائے دیتے پھریں'' اس لڑکھڑاتی ہوئی آواز سے فائدہ اٹھا کر ایک بدطینت کمیونسٹ نے سوال کیا ''آپ کا حضرت محمد کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' اللہ اللہ ایک شرابی جیسے کوئی برق تڑپی ہو، بلور کا گلاس اٹھایا اور اس کے سر پر دے مارا ''بدبخت ایک عاصی سے سوال کرتا ہے، ایک سیاہ رو سے پوچھتا ہے، ایک فاسق سے کیا کہلوانا چاہتا ہے'' تمام جسم کانپ رہا تھا، ایکا ایکی رونا شروع کردیا، گھگھی بندھ گئی، کہنے لگے: تم نے ایسی حالت میں یہ نام کیوں لیا، تمہیں جرأت کیسے ہوئی؟ گستاخ! بے ادب!

''باخدا دیوانہ باشی با محمد ہوشیار''

اس سوال پر توبہ کرو، تمہارا خبث باطن میں سمجھتا ہوں، خود قہر وغضب کی تصویر ہوگئے، اس نوجوان کا یہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، اس نے بات کو موڑنا چاہا، مگر اختر کہاں سنتے تھے، اسے اٹھوا دیا، پھر خود اٹھ کر چلے گئے، تمام رات روتے رہے، کہتے تھے ''یہ لوگ اتنے نڈر ہوگئے ہیں کہ آخری سہارا بھی ہم سے چھین لینا چاہتے ہیں، میں گنہ گار ضرور ہوں، مگر یہ مجھے کافر بنا دینا چاہتے ہیں''۔

[ماہنامہ 'الفرقان' لکھنؤ، نومبر ۱۹۶۳ء]

لیکن اس سب کے باوجود اسلام دشمن عناصر شان رسالت میں گستاخی کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچاتے رہتے ہیں۔

اس اہانت آمیز رویہ کی بنیاد سیرت رسولؐ اور حیات طیبہ سے ناواقفیت ہے، اسلام سے بغض و عناد کے ساتھ تاریخی صلیبی جنگوں کے نتیجہ میں گستاخ رسول جانتے ہی نہیں کہ اپنوں اور غیروں کے ساتھ آپؐ کا رویہ کیا تھا، آپؐ کے اخلاق کریمانہ کیا تھے، صبر وبرداشت اور حلم وبردباری میں کس مقام پر فائز تھے، دشمنوں کے ساتھ آپؐ کا سلوک اور معاملہ کیا تھا، معاندین اسلام اور گستاخان رسول کی معلومات کی بنیاد وہ کتابیں ہیں جو اسلام دشمن مغربی اہل قلم نے اسلام اور سیرت پر لکھی ہیں، مغرب کے مصنفین اور اہل قلم وقتاً فوقتاً سیرت نبوی

پر شکوک وشبہات پیدا کرتے رہتے ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مصنفین بالقصد اور ایک سمجھے بوجھے منصوبہ کے تحت سیرت نبوی کو نشانہ بناتے ہیں۔

یورپ کی صلیبی جنگوں کی ترجیحات میں سیرت نبوی کو نشانہ بنانا تھا، سیرت پر لکھنے والوں نے عموماً انہی کتابوں سے استفادہ کیا ہے جو یورپ میں بیداری کے بعد کی صدیوں میں لکھی گئیں اور مستشرقین کی کتابوں پر کلی اعتماد کیا جس کی وجہ سے لوگوں کو دھوکہ ہوا اور سیرت کے تعلق بدگمانی پیدا ہوئی، مستشرقین اور مغربی اہل قلم کے دجل و فریب، کذب بیانی، افتراء پردازی، مکاری اور علمی خیانت کے نمونے ان کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں جو مسلمان اہل قلم نے ان کے جواب میں تصنیف کی ہیں، ایک مغربی مصنف نے اعتراف کیا ہے کہ میں نے سیرت کے موضوع پر ایک ایسی زہریلی کتاب لکھ دی ہے کہ جو بھی اس کو پڑھے گا اس کے دل سے محمدؐ کی محبت نکل جائے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکارم اخلاق، نوازش و کرم گستری اور تواضع میں ساری انسانیت کے امام و مقتدا تھے، ارشاد باری تعالی ہے: "إِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ" بے شک آپ بہت عظیم اخلاق کے حامل ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا ہے: "أدّبني ربي فأحسن تأديبي" میری تربیت اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے اور بہترین فرمائی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "إن اللّٰه بعثني لتمام مكارم الأخلاق و كمال محاسن الأفعال" اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمایا ہے، حضرت عائشہؓ سے آپؐ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: "كان خلقه القرآن" آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اخلاق میں قرآن کا مجسم نمونہ تھے، عفو و درگذر، تحمل و بردباری، کشادہ قلبی اور قوت برداشت میں آپ کا جو مقام تھا وہاں تک اہل ذہانت کی ذہانت، اور شعراء کے خیال وتصور کی بھی رسائی نہیں ہوسکتی، نبی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی قرآنی تعلیمات اور ربانی تربیت کا عکس جمیل اور سچا آئینہ ہے، لہٰذا سیرت نبوی کا سرچشمہ قرآن ہے اور آپ کے منہج دعوت، گھر وخاندان، اپنے اور پرائے، عزیز واقارب، امن وامان اور میدان جنگ میں دشمنوں کے ساتھ آپؐ کے رویہ ومعاملہ کی بنیاد قرآن ہی ہے۔

قرآن کریم میں مکمل اور جامع سیرت کا مکمل مواد موجود ہے: "وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ" (اور وہ خواہش سے نہیں کہتے، وہ تو صرف وحی ہے جو ان پر کی جاتی ہے)۔[سورہ نجم:۳-۴]

قرآن مجید منہج نبوی کا پہلا اور بنیادی مصدر ہے: "ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ" (اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ بلاتے رہئے اور اچھے طریقہ پر ان سے بحث کیجیے، بلاشبہ آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹک گیا اور وہ صحیح راستہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے)۔[سورہ نحل:۱۲۵]

"فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ، فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ" [سورہ آل عمران:۱۵۹] (پھر یہ اللہ کی رحمت ہی کے سبب سے ہے کہ آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تند خو سخت طبع ہوتے تو وہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہوگئے ہوتے، سو آپ ان سے درگزر کیجیے اور ان کے لیے استغفار کردیجیے، اور ان سے معاملات میں مشورے لیتے رہیے، لیکن جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ رکھئے، بیشک اللہ ان سے محبت رکھتا ہے جو اس پر بھروسہ رکھتے ہیں)۔

قرآن کریم میں بار بار آپ کو صبر و برداشت، عفو درگزر اور انتقام نہ لینے کی تلقین کی گئی ہے حالانکہ آپ کو انتقام اور بدلہ لینے کی طاقت حاصل تھی: "وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا" (اور آپ انہی لوگوں کے ساتھ اپنے آپ کو لگائے رکھیے جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی خوشنودی کی چاہت میں اور دنیا کی آرائش کی خاطر ان سے اپنی نگاہیں نہ پھیر لیجیے اور اس کی بات نہ مانئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے چکر میں پڑا ہے اور اس کا معاملہ حد سے آگے بڑھ چکا ہے)۔[سورہ کہف:۲۸]

دعوت اسلامی میں سب سے پہلے جس چیز کا درس دیا جاتا ہے وہ ہے صبر و برداشت: "وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ، إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ" (اور آپ صبر کیجیے اور اللہ ہی کی مدد سے آپ صبر کرسکیں گے اور ان پر غم نہ کھائیے اور جو وہ چالیں چلتے ہیں اس سے تنگی میں مت پڑیئے، بلاشبہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو پرہیزگار ہیں اور وہ جو نیکی کرنے والے ہیں)۔[سورہ نحل:۱۲۷،۱۲۸]

"وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ" (اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کردے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرتے رہو، یہی تقوی سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ تمہارے کاموں سے خوب واقف ہے)۔[سورہ مائدہ:۸]

قرآن کریم میں دیگر مذاہب کے پیشواؤں کے احترام کی تاکید کی گئی ہے، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام اور عیسائی علماء کا ذکر بڑے احترام واکرام کے انداز میں کیا گیا ہے:"وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ" [سورۂ انعام:۱۰۸](اور جن کو وہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں، تم ان کو برا بھلا مت کہو کہ وہ ناسمجھی میں حد سے آگے بڑھ کر اللہ کو برا بھلا کہنے لگیں)۔

"وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ" [سورہ مائدہ:۸۲-۸۳](اور آپ پائیں گے کہ ایمان والوں کے لیے دوست داری میں سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں، اس لیے کہ ان میں بہت سے عالم اور درویش ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے اور جب وہ اس (کتاب) کو سنتے ہیں جو رسول پر اتری تو آپ دیکھیں گے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں، اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا، وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم نے مان لیا، بس تو ہمیں بھی گواہی دینے والوں میں لکھ دے)۔

مذکورہ بالا قرآنی آیات صاف اور واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی بنیادی صفت صبر و برداشت، عفو و درگزر، رحم دلی، ملاطفت، دلداری، رواداری، شفقت و محبت، انسانی خیر خواہی اور دوسروں کا احترام واکرام ہے۔ امن اور جنگ دونوں حالتوں میں دشمنوں کے ساتھ آپ کا معاملہ اس کا مظہر ہے، قیدیوں کے ساتھ آپ کا رویہ نرمی اور عفو و درگزر کا تھا، بدر کے قیدیوں کے ساتھ آپ کا حسن سلوک اور غزوہ حنین میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کی تقسیم میں نومسلموں کی دلداری اس کی واضح مثال ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ کا معاملہ شفقت و محبت، اخوت و مودت، ہمدردی، غمخواری اور تعاون کا تھا، اسی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے جو محبت کی، انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، صحابہؓ نے جانثاری، فدائیت، قربانی اور عشق و محبت کے نادر اور لافانی نمونے پیش کیے۔ زید بن الدثنہ رضی اللہ عنہ کو حرم سے باہر قتل کے لیے لے جایا گیا تو اس وقت قریش کے بہت سے لوگ جمع تھے، جن میں ابوسفیان بھی تھے، انھوں نے حضرت زید سے کہا: زید میں تم سے قسم دلا کر پوچھتا ہوں کیا تم یہ پسند کروگے کہ تم آرام سے اپنے گھر والوں میں ہو اور تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں؟ انھوں نے جواب دیا کہ مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے گھر میں آرام سے ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کانٹا بھی چبھے! ابوسفیان نے اس پر کہا کہ میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی محمدؐ سے کرتے ہیں۔[سیرت ابن ہشام: ج۲/ص۱۷۴]

غزوۂ احد میں ایک موقع پر جب یہ خبر پھیل گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے، تو ایک بھی صحابی نے تخلف نہیں کیا؛ بلکہ یہ صدا بلند ہوئی کہ چلو تم بھی اسی پر جان دیدو جس پر آقائے نامدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جان قربان کردی ہے۔

تعلیم و تربیت میں آپ کا انداز اور اسلوب رحمت، شفقت اور دلداری کا تھا، سیرت میں بکثرت اس کی مثالیں موجود ہیں، اسی وجہ سے جو پہلی بار آپ کو دیکھتا وہ مرعوب ہوجاتا، آپ کی صحبت میں رہتا اور جان پہچان حاصل ہوتی تو آپؐ کا فریفتہ اور دلداہ ہوجاتا، تعلیم و تربیت میں آپؐ کا انداز بڑا حکیمانہ تھا، حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ:''ایک مرتبہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کردیا، لوگ یہ دیکھ کر اس پر دوڑ پڑے اور سخت سست کہنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو، یہاں تک وہ پیشاب سے فارغ ہوگیا، تو آپ نے اس کو اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا کہ مساجد بول و براز کے لیے نہیں ہیں، یہ تو ذکر و تلاوت اور نماز کے لیے ہیں، اس کے بعد ایک شخص کو حکم دیا کہ اس جگہ پر ایک ڈول پانی بہادو''۔[بخاری، حدیث نمبر ۲۸۵]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا، آپ اس وقت نجران کی چادر زیب تن کئے ہوئے تھے، جس کے کنارے موٹے تھے، راستہ میں ایک اعرابی آپ سے ملا، اور آپ کی چادر مبارک پکڑ کر زور سے کھینچی، میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ آپ کی گردن پر اس کے کھینچنے کی وجہ سے نشان پڑ گئے ہیں، پھر اس اعرابی نے کہا: یا محمد! اللہ کا جو مال آپ کے پاس ہے وہ مجھے دینے کا حکم دیجیے، آپ نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا اور مسکرائے پھر ہدایت کی کہ اس کو دیا جائے۔[بخاری: ج۳/ص۱۵۳]

زید بن سعنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

آیا، اور قرض کا مطالبہ کیا، جو آپؐ نے اس سے لے لیا تھا، پھر اس کے بعد اس نے کپڑا پکڑ کر آپؐ کے شانۂ مبارک سے زور سے کھینچا اور اپنی مٹھی میں کپڑے کو لے لیا اور سخت الفاظ میں بات کی، پھر کہا: تم عبد المطلب کی اولاد! بڑے ٹال مٹول کرنے والے ہو، حضرت عمرؓ نے اس کو جھڑکا اور سخت لہجہ میں بات کی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رویہ مسکراہٹ کا رہا، آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: عمر ہم اور یہ شخص تمہاری طرف سے دوسرے رویہ کے مستحق تھے، مجھے تم قرض جلد ادا کرنے کا مشورہ دیتے اور اس کو نرم طریقہ سے تقاضہ کرنے کو کہتے، پھر آپؐ نے فرمایا: اس کی مدت ادائیگی میں ابھی تین دن باقی ہیں، بہر حال آپؐ نے حضرت عمرؓ کو اس کے قرض کی ادائیگی کا حکم دیا، اور بیس صاع اس کو مزید دینے کو فرمایا کہ یہ اس کا معاوضہ ہے جو حضرت عمرؓ نے اس کو خوفزدہ کر دیا تھا اور پھر یہی باتیں اس کے اسلام لانے کا باعث بن گئیں۔ [بیہقی، واحمد: ج۳/ص۱۵۳]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت نرمی اور شفقت پر مبنی تھی، آپؐ کا ارشاد ہے: آسانیاں پیدا کرو، سختی مت کرو، خوشخبری کے پیامبر بنو، متنفر کرنے والے مت بنو [متفق علیہ]، انسان ہی نہیں؛ بلکہ جانوروں کے ساتھ بھی نرمی برتنے کی تلقین کی ہے اور دشمنوں کو معاف کرنے اور ان کے ساتھ عفو وکرم کا برتاؤ کرنے کے حکم دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نمایاں وصف مثالی معلم ومربی ہے، آپ کی پوری زندگی رحمت وشفقت، رحمدلی اور کرم فرمائی سے عبارت ہے، اپنے ہی نہیں، دشمنوں کے ساتھ بھی نرمی برتنے کا تاکید فرمائی گئی ہے، لیکن معاصر اور مغربی میڈیا نبی رحمت محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم پر تشدد، انتہاپسندی اور دہشت گردی کا الزام لگا رہا ہے، یہ سراسر ظلم اور نری جہالت ہے، حالانکہ خود یورپ اور مغربی دنیا کے لوگ ایسے گھناؤنے جرائم اور وحشیانہ مظالم کر رہے ہیں جن کے واقعات سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

مسلم اہل قلم اور مفکرین کو چاہیے تو یہ تھا کہ وہ سیرت پاک کے اس پہلو پر توجہ دیتے اور یورپ کی علمی وفکری یلغار کا مقابلہ کرتے، لیکن افسوس کہ وہ اپنی تمام تر توجہات یورپ کے عسکری حملے کے دفاع میں صرف کرنے کی وجہ سے اس فکری وعلمی یورش پر توجہ نہ دے سکے، حالانکہ یورپ عالم اسلام پر اپنے سامراجی حملے سے قبل ہی اس خاموش سنگین علمی وفکری جنگ کی ابتدا کر چکا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں نے سیرت نبویؐ پر ایک قیمتی ذخیرہ تیار کیا اور سیرت نبوی کا موضوع مسلم مصنفین کا پسندیدہ اور محبوب موضوع رہا ہے، اسی حبِّ رسولؐ اور ذات نبویؐ سے والہانہ تعلق وشیفتگی کے نتیجہ میں ان کے قلم سے ایسی نادر اور بیش قیمت کتابیں وجود میں آئیں جن سے اہل ایمان کے قلوب عشق رسول کی روشنی سے منور وفروزاں ہوتے ہیں، اور ان کے دلوں میں حبّ رسولؐ کی خاطر سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، لیکن مسلم مصنفین کی کتابیں مسلمانوں ہی کی زبانوں میں ہیں اور یقیناً ان کتابوں نے حب رسول اور اتباع سنت کے جذبہ کو خوب فروغ دیا، اسی طرح نعتیہ قصائد نے بھی مسلمانو ں میں شوق وسرور اور عقیدت کے جذبات کو اور جلا بخشی ہے، لیکن یورپ کے نظریہ کو ان کتابوں کے ذریعہ نہیں بدلا جاسکتا، بلکہ یورپ کے تصورات کو اسی کی زبانوں میں سیرت پر لٹریچر پیش کرنے سے بدلا جاسکتا ہے۔

اس وقت عالم اسلام میں مختلف اسلامک سینٹر، اکیڈمیاں، مسلم ادارے اور اسلامی مراکز ہیں جو بحسن وخوبی دعوت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، یقیناً یہ انتہائی اہم اور مبارک فریضہ ہے، اس کے ذریعہ ہزاروں لوگ راہ یاب ہو رہے ہیں، لیکن اسلام اور سیرت نبوی کو علمی وفکری انداز میں پیش کرنا بھی وقت کا اہم فریضہ اور مسلمانوں کی اولین ذمہ داری ہے جو کسی طرح بھی دعوتی فریضہ سے کم اہمیت کی حامل نہیں، بلکہ تقریباً دونوں کی حیثیت یکساں ہی ہے، حالات کا تقاضا ہے کہ اسلامی نظام زندگی کی اہمیت وافادیت اور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی تابناک حقیقی زندگی کو دنیا کے سامنے علمی وعصری انداز میں پیش کیا جائے، چنانچہ اسلامی اداروں کی اولین ذمہ داری ہے کہ تاریخ اسلام اور سیرت نبویؐ کے موضوع پر علمی انداز میں ایسی کتابیں تصنیف کریں جن میں ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیے جانے والے تمام اعتراضات کا تشفی بخش اور قابل اطمینان جواب ہو، اسی کے ساتھ حالات اور مزاج ومذاق کا بھی بھرپور خیال رکھا گیا ہو، اس لیے کہ اس قسم کے شکوک وشبہات صرف غیر مسلموں کے ذہنوں ہی میں نہیں پائے جاتے، بلکہ نئی نسل اور مغربی تعلیم یافتہ مسلم طبقہ کے ذہنوں میں بھی یورپ کے گمراہ کن باطل نظریات کی وجہ سے نت نئے شکوک وشبہات نے جگہ بنالی ہے۔

ارباب علم وفضل اور اصحاب اختصاص جنہوں نے یورپ کو قریب سے دیکھا ہے اور وہاں کی تہذیب وثقافت اور زبانوں سے آشنا ہیں، کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مشن کا بیڑا اٹھائیں اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم وتاریخ اسلام کو مخاطب کے مزاج ومذاق کے مطابق پیش کریں، کیونکہ اسی طریقہ سے فکری انحراف کو راہ مستقیم پر لایا جاسکتا ہے، اور یہ وقت کا ایک اہم اسلامی فریضہ ہے جس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

☆☆☆☆☆

اصلاحِ معاشرہ

جھوٹ کے پاؤں

.....مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

اردو میں مشہور ہے کہ: ''جھوٹ کے پاؤں نہیں نکلتے'' مگر اب اس کے پاؤں نہیں، پر ایسے نکل آئے ہیں کہ اس نے پورے معاشرے کو بری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور زندگی کا کوئی گوشہ ہمارے ماحول میں اس سے خالی نہیں رہا، کھلا جھوٹ تو خیر ایسی چیز ہے جسے ہر شخص برا سمجھتا ہے، اس میں مسلمان اور کافر کی بھی قید نہیں بلکہ وہ دہریے بھی جو اللہ تعالیٰ کے وجود تک میں شک کرتے ہیں، وہ بھی نظریاتی طور پر جھوٹ کو برا ہی سمجھتے ہیں، جو لوگ عملاً دن رات جھوٹ بولتے رہتے ہیں، ان سے بھی اگر پوچھا جائے کہ جھوٹ بولنا کیسا ہے؟ سو یقیناً ان کو اب بھی یہی ہوگا کہ بہت برا ہے، لہٰذا ایسے لوگوں کو جب کبھی اپنے کردار کی درستی کا خیال آئے گا تو وہ جھوٹ سے بھی توبہ کرسکیں گے، لیکن ہمارے زمانے میں جھوٹ کی ایسی بہت سی شاخیں وجود میں آگئی ہیں، جنہیں بہت سے لوگ جھوٹ سمجھتے ہی نہیں، لہٰذا انہیں یہ خیال ہی نہیں آتا کہ ان سے کوئی غلط کام سرزد ہو رہا ہے۔

میرے پاس ایک مرتبہ ایک اور شہر سے ایک صاحب ملنے کے لیے تشریف لائے پڑھے لکھے اور نماز، روزے کے پابند ذہین اور تعلیم یافتہ، بڑے خوش مزاج اور ستھرے ادبی ذوق کے مالک، بڑے خوبصورت شعر کہنے والے، چہرے مہرے سے لے کر انداز و ادا تک ہر چیز میں شرافت جھلکتی تھی، کافی دیر تک انہوں نے اپنی دل نواز صحبت سے مجھے مستفید کیا، جب چلنے کا وقت آیا تو میں نے پوچھا: ''کب تک قیام رہے گا'' کہنے لگے کہ: ''پہلے تو میرا ارادہ کل واپس جانے کا تھا، مگر بعض عزیزوں کے اصرار پر اپنا قیام میں نے چند روز کے لیے اور بڑھا لیا ہے اور آج ہی میں اپنے دفتر کو میڈیکل سرٹیفکٹ روانہ کر رہا ہوں'' میں نے چونک کر پوچھا: ''کیسا میڈیکل سرٹیفکٹ؟'' انہوں نے بڑی بے پروائی سے جواب دیا: ''یہی دفتر سے چھٹی لینے کے لیے جو میڈیکل سرٹیفکٹ بھیجا جاتا ہے'' میں نے پوچھا: ''کیا خدانخواستہ آپ کی کچھ طبیعت ناساز ہے؟'' فرمایا: ''ارے نہیں بھائی! اللہ کے فضل سے میں بالکل تندرست ہوں، لیکن دفتر سے چوں کہ مزید چھٹی ملنے کا کوئی اور راستہ نہیں، اس لیے میڈیکل سرٹیفکیٹ ہی بھیجنا پڑے گا''، ان جیسے شخص سے یہ بات سن کر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے دل پر بجلی گر گئی ہو، میں نے عرض کیا کہ: ''آپ نے یہ بھی سوچا یہ جعلی سرٹیفکٹ بنوانا آپ کے لیے کیسے جائز ہوگا؟ اور اس مصنوعی تصدیق نامے کی بنیاد پر جو چھٹی آپ کو حاصل ہوگی، اس سے استفادہ آپ کے لیے درست ہوگا یا نہیں؟

نیز اس چھٹی کے دنوں کی جو تنخواہ آپ کو ملے گی، وہ آپ کے لیے حلال ہوگی یا نہیں؟ آدمی واقعی شریف تھے، یہ سن کر وہ بھی سکتے میں آگئے، کہنے لگے: واقعتاً آج سے پہلے مجھے کبھی اس طرف توجہ ہی نہیں ہوئی، چوں کہ دفتروں میں عام معمول یہی ہے کہ ضرورت کے وقت میڈیکل سرٹیفکٹ بنوا کر چھٹی حاصل کر لی جاتی ہے اس لیے میں بھی بے سوچے سمجھے یہی کرتا رہا، پھر وہ پوچھنے لگے کہ: ''کیا واقعی شدید ضرورت کے وقت بھی اس طرح چھٹی لینا جائز نہیں؟'' میں نے عرض کیا کہ: اول تو صرف عزیزوں کا اصرار کوئی ایسی ''شدید ضرورت'' نہیں ہے، دوسرے اگر واقعی کوئی سخت ضرورت ہو تو وہ ضرورت بتا کر چھٹی کی درخواست دینی چاہیے، اگر اس ضرورت کی بنیاد پر چھٹی قواعد کے لحاظ سے مل سکتی ہوگی تو مل جائے گی اور اگر اس کی بنیاد پر چھٹی نہ مل سکتی ہو تو بغیر تنخواہ کے رخصت لی جائے، جھوٹا میڈیکل سرٹیفکٹ دے کر چھٹی لینے کا بہر حال کوئی جواز نہیں'' انہوں نے یہ سن کر میرے سامنے یہ اعتراف کیا کہ: ''اب تک میں واقعی یہ گناہ بے سوچے سمجھے کرتا رہا ہوں، آج چوں کہ مجھے صحیح بات کی طرف دھیان ہو گیا، اس لیے ان شاء اللہ آئندہ کبھی اس طرح چھٹی نہیں لوں گا''۔

اس واقعہ سے پہلے مجھے بھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس قسم کے بظاہر دیانت دار حضرات بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں گے کہ اس قسم کے جعلی سرٹیفکٹ بنوانا جائز ہے یا نہیں، اس کی برائی کا احساس ہی نہیں ہوگا؟ اس کے بعد پتہ چلا کہ جھوٹ نے کیسے کیسے مقدس دلوں میں دھیرے دھیرے جگہ بنالی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب ہمارے ماحول میں اسکی سٹیفکیٹ کی کوئی وقعت نہیں رہی اور حقیقت معلوم کرنے کے لیے کوئی سرٹیفکٹ دیکھنا سب برابر ہے۔

پھر جو حضرات اس قسم کی سرٹیفکٹ جاری کرتے ہیں ان کا معاملہ اور بھی زیادہ سنگین اور افسوس ناک ہے، ظاہر ہے کہ یہ سرٹیفکٹ کوئی ان پڑھ یا جاہل شخص جاری نہیں کرسکتا، تصدیق نامے وہی لوگ جاری کر سکتے ہیں، جو نہ صرف تعلیم یافتہ ہوں بلکہ کسی خاص شعبے میں انہیں کوئی مقام حاصل ہو، بالخصوص میڈیکل سرٹیفکٹ تو کوئی ڈاکٹر ہی جاری کرسکتا ہے اور ڈاکٹر کسی بھی معاشرے کو ہو،

باوقار اور ذمہ دار فرد ہوتا ہے، جس کے اعتماد پر لوگ اپنے آپ کو اس کے حوالے کرتے ہیں اور خاص طور پر کسی مریض کی جسمانی کیفیت کے بارے میں اس کی زبان یا قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ معنی رکھتا ہے اور اس پر زندگی کے بہت سے معاملات کے فیصلے ہوتے ہیں، اگر ایسی ذمہ دار شخصیت بھی یہ خیال نہ کرے کہ جو سرٹیفکٹ اس کے قلم سے نکل رہا ہے، اس کی حیثیت ایک گواہی کی ہے اور اس منصب کا حامل شخص بھی اپنی غیر ذمہ دارانہ بلکہ خلاف واقعہ گواہی سے معاشرے کو گمراہ کرنے لگے تو آخر اس معاشرے کا کیا بنے گا؟ اگر اس قسم کے سرٹیفکٹ مالی معاوضہ لے کر جاری کیے گئے ہوں تب تو جھوٹ کے ساتھ رشوت کا دوہرا گناہ بھی اس کے ساتھ وابستہ ہے اور اگر محض ''ہمدردی'' ہے جس کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے اور اس سے جو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے اس سب کا وبال ایسے جعلی سرٹیفکٹ جاری کرنے والوں کے نامہ اعمال کا لازمی حصہ ہے جس کا جواب ایک نہ ایک دن انہیں کہیں دینا پڑے گا۔

بعض مرتبہ دلیل بھی سننے میں آتی ہے کہ اس قسم کے جعلی تصدیق نے معاشرے میں اس درجہ رواج پا گئے ہیں کہ اب ان کا اجراء پیشہ ورانہ کاموں کا ایک حصہ بن چکا ہے اور اگر کوئی شخص ایسے سرٹیفکٹ جاری کرنے سے پرہیز کرے تو لوگ اس کی طرف رجوع کرنا بند کر دیتے ہیں اور وہ اپنی جائز آمدنی سے بھی محروم رہ جاتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ دلیل ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' کے مصداق ہے۔

الحمدللہ! اسی گئے گذرے دور میں آج بھی بے شمار افراد وہ ہیں جنہوں نے کبھی اس قسم کی کسی پیشہ ورانہ دیانتی کا ارتکاب نہیں کیا، وہ لوگ اپنی اس دیانت داری کی وجہ سے مر نہیں گئے، وہ زندہ ہیں اور خدا کے فضل و کرم سے بہت اچھی طرح زندہ ہیں خاص طور سے ڈاکٹر صاحبان کی بھاری تعداد بلکہ اکثریت اب بھی ایسی ہی ہے کہ وہ اس قسم کے گھٹیا کاموں کا تصور بھی نہیں کر سکتی، اس کے باوجود انہیں ناقدری کا کبھی شکوہ نہیں ہوا، وہ پوری عزت اور وقار کے ساتھ اپنے پیشہ ورانہ فرائض ذمہ داری کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور انہیں نہ صرف یہ کہ مالی نقصان نہیں ہوا، بلکہ مالی حیثیت اور سماجی رتبے دونوں کے اعتبار سے وہ معاشرے میں بلند مقام رکھتے ہیں، معاشرے میں کسی برائی کا عام رواج درحقیقت اسی طرح ہوتا ہے کہ لوگ اس برائی کے آگے ڈٹنے کے بجائے اس کے سامنے ہتھیار ڈالتے چلے جاتے ہیں اور ضمیر کی آواز کو دبا کر اس قسم کی بودی دلیلوں کے سائے میں پناہ لینے لگتے ہیں۔

اس کے برخلاف اگر کوئی شخص ہمت کر کے برائی کے آگے ڈٹ جائے اور اس کے سامنے شکست کھانے سے انکار کر دے تو انجام کار فتح اسی کی ہو کر رہتی ہے قرآن کریم نے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا ہے کہ: ''وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ'' یعنی اچھا انجام انہی کا ہے جو برائی سے بچتے ہیں، آج کل بہت سے مقاصد کے حصول کے لیے ''کیریکٹر سرٹیفکٹ'' کی بھی ضرورت پڑتی رہتی ہے، اس سرٹیفکٹ میں کسی شخص کے بارے میں یہ تصدیق کی جاتی ہے کہ وہ اچھے اخلاق و کردار کا حامل ہے اور میں اسے اتنی مدت سے جانتا ہوں، یہ سرٹیفکٹ بھی بکثرت سوچے سمجھے بغیر جاری کر دیے جاتے ہیں اور اس بات کی پرواہ نہیں کی جاتی کہ جس شخص کے بارے میں یہ تصدیق کی جا رہی ہے وہ اس کا اہل ہے یا نہیں اور یہ بات بھی جھوٹ موٹ ہی لکھ دی جاتی ہے کہ میں انہیں پانچ سال سے یا دس سال سے جانتا ہوں۔

ایک مرتبہ میں ایک فقہی کانفرنس کے سلسلہ میں سعودی عرب کے شہر جدہ میں مقیم تھا، ایک صاحب مجھ سے ملنے کے لیے تشریف لائے اور انہوں نے ایک بڑے ثقہ بزرگ کا ایک خط مجھے دیا، اس خط میں انہوں نے مجھ سے فرمائش کی تھی کہ ان صاحب کو پاکستانی سفارت خانے سے پاسپورٹ بنوانا ہے، اس میں ان کی مدد کر دیجیے، میں نے دریافت کیا کہ آپ کو یہاں سے پاسپورٹ بنانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟ اس پر انہوں نے وہ درخواست میرے ہاتھ میں تھما دی جو انہوں نے پاکستانی کونسلر کے نام لکھی تھی، اس درخواست میں لکھا تھا کہ میرا پاسپورٹ سعودی عرب میں گم ہو گیا ہے، اس لیے نیا پاسپورٹ بنوا دیا جائے، اور شاید اس درخواست کے ساتھ کچھ تصدیقات بھی تھیں، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ پاکستان سے کب آئے تھے اور پاسپورٹ کہاں اور کیسے گم ہوا؟

اس سوال کے جواب میں انہوں نے جو باتیں کیں ان پر مجھے اطمینان نہ ہوا، اور میں نے یہ کہہ کر ان سے معذرت کر لی چوں کہ میں پاسپورٹ کی گمشدگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا، اس لیے میں اس بنیاد پر کوئی سفارش کرنا میرے لیے جائز نہیں ہے، وہ صاحب خاصے ناراض ہو کر تشریف لے گئے اور یہ شکوہ کرتے رہے کہ میں نے ان کا یہ چھوٹا سا کام کرنے سے کیوں انکار کیا، بعد میں پتہ چلا کہ درحقیقت وہ ہندوستانی نیشنل تھے اور ایک عرصہ تک سعودی عرب میں تلاش روزگار سے مایوس ہو چکے تھے، اب کسی نے انہیں یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ پاکستان جا کر روزگار تلاش کریں اور اس کے لیے انہوں نے یہ حیلہ اختیار کیا تھا کہ پاسپورٹ گم ہونے کی فرضی کہانی بنائی تھی تاکہ اس طرح پاکستان کا ویزا نہیں بلکہ اس کی قومیت ہی کا ثبوت

پاسپورٹ کی شکل میں کیوں نہ حاصل کرلیا جائے؟ بعض لوگوں نے بتایا کہ اس طرح لوگ کرتے ہی رہتے ہیں ،لیکن مجھے حیرت ان بزرگوں پر تھی جنہوں نے ان صاحب کو میرے پاس بھیجا اور مجھے سفارشی خط بھی لکھا کہ میں ان کی مدد کردوں، وہ کوئی جھوٹے یا دھوکہ باز نہیں تھے بلکہ بڑے قاعدے کے آدمی تھے لیکن ان کے ذہن میں بس یہی پہلو غالب رہا کہ ایک ضرورت مند شخص کی مدد کرنی چاہیے کہ انہوں نے نہیں سوچا کہ جھوٹ بول کر یہ کام کرنا کتنا بڑا گناہ اور اپنے ملک کے ساتھ کتنی بڑی بے وفائی ہے؟ کسی شخص کے چہرے پر اس کے اندرونی عزائم لکھے ہوئے نہیں ہوتے؟ اور اس طرح کی ''ہمدردی'' کے نتیجے میں وہ کسی تخریب کار، کسی دہشت گرد یا کسی خطرناک جاسوس کو اپنے ملک میں بھیجنے کے بھی مجرم ہو سکتے ہیں اور اگر اس کے نتیجے میں اپنے ہم وطنوں کی جانیں گئیں یا کوئی اور تخریبی واقعہ پیش آیا تو اس جرم کی ذمہ داری سے وہ بھی بری نہیں ہوں گے۔

اس قسم کی مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں کسی شخص کے حق میں کوئی تصدیق نامہ جاری کردینا، ایک کھیل بن کر رہ گیا ہے اور اچھے اچھے ثقہ قسم کے لوگ بھی اس میں جھوٹ سچ کا امتیاز نہیں کرتے بلکہ اسے جھوٹ میں شامل ہی نہیں سمجھتے، اس صورت حال نے معاشرے میں جو تباہی مچا رکھی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، لیکن مسئلہ اس صورت حال کی مذمت کرتے رہنے سے حل نہیں ہوسکتا جب تک کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر اسے تبدیل کرنے کا پختہ عزم نہ کرے، دوسروں پر نہ سہی، لیکن ہر شخص کو اپنے آپ پر مکمل اختیار حاصل ہے، جسے کام میں لائے بغیر یہ صورت حال تبدیل نہیں ہوگی۔

☆☆☆☆☆

ابتدائی دینی مکاتب اور دین سے ناواقف لوگوں کے لیے
نہایت مفید، آسان اور معلومات افزا بنیادی نصابی سیریز

آسان دینی معلومات؟

از:-محمد سعید بنوندوی

یہ سیریز کل پانچ جلدوں میں ہے، اس سے خود بھی فائدہ اٹھائیں، اور اپنے جاننے والوں کو بھی اس طرف متوجہ کریں، یہ محض نصابی سیریز نہیں بلکہ آج کے الحادی دور میں نئی نسلوں اور دینی بنیادی تعلیمات سے ناواقفوں کے لیے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کا بڑا ذریعہ ہے۔

پہلا حصہ:	صفحات:-60	قیمت:-20
دوسرا حصہ	:صفحات:-68	قیمت:-20
تیسرا حصہ:	صفحات:-66	قیمت:-20
چوتھا حصہ:	صفحات:-72	قیمت:-20
پانچواں حصہ:	صفحات:-66	قیمت:-20

عمدہ و پر کشش طباعت ، نہایت مناسب قیمت

طابع وناشر: معبودی پبلیکیشن

۱۶۲۰، گلی تاجران، سوئی والان، دریا گنج، نئی دہلی-۲

موبائل نمبر:09582840921 , 09811462470

(سات جلدوں پر مشتمل) آسان ہندی زبان میں ترجمہ وتفسیر

تفسیر فاروقی اور ہندی ترجمہ قرآن مجید کا پیغام

از -(مولانا) مفتی محمد سرور فاروقی ندوی

یہ مسلم وغیر مسلم اور نومسلموں کے لیے آسان ہندی زبان میں تفسیر ہے، جس میں ہر روز کے سبق کے اعتبار سے تقریباً دس دس آیتوں کا ترجمہ پھر ہر آیت کی الگ الگ تفسیر نمبر ڈال کر لکھی گئی ہے، پھر ہر آیت کا پہلے شان نزول، اس سے متعلق احادیث اور مسائل کے ساتھ غیر مسلموں کے عقائد وسوالوں کے جوابات اور سائنسی تحقیق وفضائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

ناشر: مکتبہ پیام امن ، ندوہ روڈ ، ڈالی گنج ،لکھنؤ

موبائل نمبر:09919042879 ,0998449015

تعلیم وتربیت

ادبِ اطفال میں مولانا اسمٰعیل میرٹھی کا مقام

● .....مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی

اردو کے باکمال ادباء اور بچوں کا ادب

اردو زبان وادب کی تاریخ بے شمار اصحابِ فکر وفن کے تذکروں سے معمور ہے، اردو کے گیسوئے پُرخم کو سنوارنے میں جہاں ایک طرف شعراء نے غیر معمولی حصہ لیا، وہیں دوسری طرف نثر نگاروں نے اس کو اپنے رشحاتِ قلم سے بھی رعنائی عطا کی، بیسویں صدی عیسوی میں جن ادباء نے بچوں کے لیے دینی اور تعمیری نصاب تیار کرنے پر خصوصی توجہ دی، ان میں افضل حسین ایم ایل ٹی ، مائل خیرآبادی ،مولانا اسماعیل میرٹھی وغیرہ ہیں ، بچوں کے ادب پر نہایت سہل اور آسان انداز میں مولانا اسمٰعیل میرٹھی کا تیار کردہ کتابی سلسلہ ہے ، جو تاثیر، نافعیت اور مقبولیت میں اپنی مثال آپ ہے۔

مولانا اسماعیل میرٹھی: تعارف وخصوصیات

مولانا اسمٰعیل میرٹھی ۱۲؍نومبر ۱۸۴۴ء کو میرٹھ میں پیدا ہوئے ، اور آپ کے والد شیخ پیر بخش آپ کے پہلے استاذ تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی ، دس برس کی عمر میں ناظرہ قرآن مجید مکمل کیا، پھر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی تحریک کے وقت آپ نے یہ محسوس کیا کہ اس وقت قوم میں بیداری کی بڑی ضرورت ہے، لہٰذا اسی مقصد کی خاطر آپ نے دینی علوم کی تکمیل کے بعد جدید علوم سیکھنے کی طرف توجہ دی، اور انگریزی میں مہارت حاصل کرنے کے بعد انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی ، مگر ان علوم سے فراغت کے بعد آپ نے سرکاری ملازمت اختیار کرنے کے بجائے تدریسی میدان کو ترجیح دیا، تاکہ اس کے ذریعہ قوم اپنے کھوئے ہوئے مقام ومرتبہ کو بحال کر سکے۔

اسماعیل میرٹھی نے اپنے ہم عصروں مولانا الطاف حسین حالیؒ اور علامہ شبلی نعمانیؒ کی طرح اپنی شاعری کو بچوں اور بڑوں کی تعلیم وتربیت کا ذریعہ بنایا، کیونکہ ۱۸۵۷ء سے پہلے اردو شاعروں نے شعری میدان میں اس پہلو پر بہت کم توجہ دی تھی، لیکن مولانا نے اس فن کو بچوں اور بڑوں کی ذہنی، فکری اور تعلیمی تربیت کے لیے استعمال کیا، اور بچوں کے لیے پچاس سے زیادہ نظمیں لکھی، اس کے علاوہ مولاناؒ نے نثری میدان میں بھی بڑا حیرت انگیز ومعنی خیز کام کیا ، جو آج ہمارے سامنے یہ سلسلہ خوبصورت کتابی شکل میں موجود ہے، ڈاکٹر سیفی پریمی ایک جگہ رقمطراز ہیں: ''ہمارے بزرگوں کو اعتراف رہا ہے اور نئی نسل اپنے تجربے کی بنا پر معترف ہے کہ اردو میں درسی کتابوں کے دو سلسلے نہایت مقبول ومشہور رہے ہیں، پہلا سلسلہ مولانا محمد حسین آزاد کا اور دوسرا سلسلہ مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی کا ہے، آزاد کو اولیت کا شرف حاصل ہے جبکہ مولانا اسمٰعیل میرٹھی کو نقشِ ثانی کی بہتری کا فخر ملا ہے''۔

جناب عادل اسیر دہلوی اپنی معروف کتاب '' ہندوستانی ادب کے معمار اسماعیل میرٹھی'' کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں: ''تدریسی ضرورتوں کا ادراک کرتے ہوئے سب سے پہلے جس شخص نے باقاعدہ بچوں کے ادب کی طرف مسلسل انہماک اور دلجمعی کے ساتھ توجہ دی وہ مولانا اسماعیل میرٹھی ہیں ، انہوں نے اردو زبان کی تدریسی ضرورتوں کے لیے باقاعدہ نظمیں لکھیں ، اردو میں بچوں کا منظوم ادب نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ تر نظمیں مولانا اسماعیل نے خود نظم کیں ، اور ان کو اپنی نصابی کتابوں میں شامل کیا.....ان کی نظمیں آج بھی تمام دنیا میں جہاں کہیں بھی اردو پڑھائی جاتی ہے ، وہاں نصابی کتابوں میں ترجیحی طور پر شامل کی جاتی ہیں، ان کی نظموں کی دلکشی آج بھی باقی ہے ، اسماعیل میرٹھی نے جو درسی کتابیں اردو زبان کی تعلیم کے لیے مرتب کیں تھیں، وہ ہمارے ہزاروں مدارس اور اردو میڈیم اسکولوں کے نصاب میں شامل ہیں، اور کل کی طرح آج بھی بچوں اور بڑوں میں مقبول ہیں، ان کی کتابوں کی خاصیت زبان وبیان کی سادگی اور بچوں کی نفسیات کے مطابق مضامین کی شمولیت ہے۔

جناب نعیم الدین زبیری اپنی کتاب ''بچوں کے اسماعیل میرٹھی'' کے پیش لفظ میں راقم ہیں: ''ماضی میں جو شخصیتیں ایسی گزریں ہیں جن کی یاد دلوں میں آج بھی تازہ اور جن کے کارناموں سے ہماری قومی وفکری تاریخ کا ہر صفحہ روشن ہے، ان میں مولانا اسماعیل میرٹھی بہت نمایاں ہیں، ان کا وہ کام جس نے ان کو آج بھی زندہ رکھا ہے وہ نئی

نسل کے لیے ذہنی سانچے کی تیاری تھی، مولاناؒ نے استعداد و لیاقت اور قلم کا سارا زور پورے خلوص اور مستعدی کے ساتھ صرف کیا، اور قوم کے نو نہالوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا، مولانا نے بچوں کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے سوچنا شروع کیا اور فیصلہ کیا کہ نونہالوں کو پوری توجہ دینا اور ان کے اندر علم کا ذوق پیدا کرنا، ان کی تربیت کا انتظام کرنا قومی تعمیر کے لیے از حد ضروری ہے، مولانا کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ بچے صرف علم ہی نہ سیکھیں بلکہ وہ اپنی اخلاقی اور تہذیبی روایات سے بھی باخبر رہیں، زبیری صاحب نے یہاں تک لکھ دیا: ''آج جو بزرگ اور پختہ کار اہل قلم اور مشہور ادیب و مصنف ہمیں نظر آتے ہیں وہ مولانا اسماعیل میرٹھی ہی کے نظم کے ساختہ پرداختہ ہیں، ان کی معنوی آب وتاب اور افادی قدر و قیمت آج بھی صرف باقی ہی نہیں ہے، بلکہ حالات کے پیش نظر مولانا کی شاعری اور نثر کو رہنما بنانا ناگزیر ہے''، مزید کہتے ہیں: ''میں وثوق و اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ذہنی سانچے کی تیاری اور مفید و صحت مند ادبی ذوق کی تخلیق میں مولانا مرحوم کی نظم و نثر کا کوئی بدل نہیں ہے''۔

عصر حاضر کے معروف نقاد و محقق اور ادیب گوپی چند نارنگ ڈاکٹر سیفی پریمی خلیل الرحمٰن کی کتاب ''اسماعیل میرٹھی: حیات و خدمات'' کے مقدمے میں تحریر کرتے ہیں: ''سرسید کی تحریک نے عقلیت پسندی اور ذہنی بیداری کی جو فضا قائم کی تھی اس میں بڑوں کی باتیں بڑوں کے لہجے میں کرنے والے تو بہت تھے، بچوں کے لہجے میں سامنے کی باتیں کرنے والا کوئی نہ تھا، اسماعیل میرٹھی نے اس میدان میں قدم رکھا، اور اردو کی پانچ کتابیں تصنیف کیں، تب سے اب تک ان کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا یہ عالم ہے کہ لاکھوں کروروں نوخیز ذہنوں کی آبیاری میں ان کتابوں سے مدد ملی ہوگی، ہم نے ماضی کے ستاروں پر کمندیں ڈالنے اور مستقبل کے اُفق پر نظریں گاڑنے والوں کو تو بجا طور پر یاد رکھا، لیکن اس شخص کو بھول گئے جس نے زمین پر سیدھے سبھاؤ چلنا سکھایا اور حال اور صرف حال کے واسطہ رکھا، ضرورت ہے کہ ایسے اہم شاعر اور مصنف کی خدمات کا دل کھول کر اعتراف کیا جائے اور اس کے خلاقانہ کارناموں کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈالی جائے''۔

مولانا کی کتابوں کی خصوصیات

راقم کے نزدیک مولانا اسماعیل میرٹھی کی کتابوں کا خاص امتیاز بچوں کے دلوں میں ایمان و یقین کی شمع جلانا، اللہ تعالیٰ کی معرفت کرانا، اس کی خلاقی و صناعی پر غور کرنے کی دعوت دینا، نیز ایک باشعور و باہمت، بلند کردار و اعلیٰ اخلاق سے متصف فرد کی تعمیر کرنا ہے، اور یہ بات کتاب کے مضامین و مشمولات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے عیاں و بیاں ہو جاتی ہے۔

اردو زبان کی پہلی کتاب: چند نمونے

یہ کتاب ۴۴؍اسباق پر مشتمل ہے، اس میں اردو سکھانے کی ابتدائی مشقیں ہیں، مفردات اور مرکبات کے ذریعہ گفتگو کے انداز کو بیان کیا گیا ہے، اور یہ مفردات بھی بچوں کے لیے تعمیری حیثیت رکھتے ہیں، ان میں ان کے نصیحت و عبرت کے بے شمار سامان موجود ہیں۔

مثال کے طور پر سبق ۱) سے لے کر سبق ۱۴) تک چار حروف، پانچ حروف، چھ حروف، سات حروف اور آٹھ حروف کے الفاظ اور ان کی مرکب مثالیں موجود ہیں:

چار حرف کے الفاظ: صحبت، نصیب، حساب۔

مرکب نمونہ: اچھی صحبت میں بیٹھو، تو عادت درست ہو۔

پانچ حرف کے الفاظ: انگور، انکار، نصیحت۔

مرکب نمونہ: جو نصیحت نہیں سنتا وہ تکلیف اٹھاتا ہے۔

چھ حرف کے الفاظ: اندازہ، مطالعہ، احتیاط۔

عملی نمونہ: پڑھنے سے پہلے مطالعہ کرو۔

سات حروف کے الفاظ: کاشتکار، تندرستی، جگمگانا۔

مثال: صاف ہوا میں ورزش کرنے سے تندرستی قائم رہتی ہے۔

آٹھ حرف کے الفاظ: ہندوستان، ایماندار، دانشمند۔

مثال: ہندوستان میں کھیتی کا پیشہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔

سبق ۱۵: اس میں اردو، ہندی، اور انگریزی میں ہفتہ کے نام ہیں، مشق کے لیے مثال: سوموار کے دن گنگا اشنان کا بڑا میلہ ہے۔

سبق ۱۶: اس سبق میں سال کے بارہ مہینوں کے نام ہیں، اردو اور انگریزی میں، مثال: پوس اور ماگھ میں کڑاکے کا جاڑہ پڑتا ہے۔

سبق ۱۷: نام کی قسمیں جیسے اسم معرفہ، اسم جنس اور اسم نکرہ کی مثالیں ہیں، جیسے آدمی، شہر، دریا، پہاڑ، اور ملک کے نام، اسم جنس و اسم جمع

جیسے جانور، درخت، اور پھول وغیرہ۔

سبق ۱۸: بستی کی تعریف، اس کو خوبصورت بنانے کا طریقہ، اس کی قسمیں جیسے گاؤں، قصبہ اور شہر ہے۔

سبق ۱۹: بستی بسانے والے اور کام کے مختلف افراد جیسے کسان، مزدور، چوکیدار اور حاکم۔

سبق ۲۰: بستی بسانے اور کاموں کی تقسیم کے بعد ترقی کے لیے سب سے ضروری چیز 'وقت' کی اہمیت اور اس کے استعمال کا طریقہ بتایا ہے۔

سبق ۲۱: ہندوستان کے مشہور شہر جیسے دہلی، بمبئی کا ذکر ہے، اور یہاں کے مشہور دریا اور ان کا محل وقوع بھی بتایا ہے، جیسے نربدا دکھن میں، ستلج پنجاب میں ہے۔

سبق ۲۲: ایک کہانی ہے، جس میں یہ ترغیب ہے کہ انسان اپنے عیب پر نظر رکھے۔

سبق ۲۳: بدن کے اعضاء اور ان کے نام میں، حواس خمسہ کی خاصیتیں ہیں، اور ہر بات پر خدا کی تخلیق و ربوبیت پر توجہ دلائی گئی ہے، اخیر میں زراعت کے لیے ضروری اشیاء کی تفصیل ہے جو چار حصوں میں ہے، کھیت، زمین، پودا، موسم اور فصلیں۔ [اردو کی پہلی کتاب، مؤلف خان صاحب مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی، سنہ اشاعت ۱۴۳۷ھ ۲۰۱۵ء]

اردو زبان کی دوسری کتاب

یہ حصہ ۴۴؍اسباق پر مشتمل ہے، اس کا آغاز 'خدا کی خلقت' کے عنوان سے ہوتا ہے، اس میں اللہ کی ربوبیت اور کائنات میں اس کی ہمہ گیر قدرت کا عقیدہ ایک نئے اور اچھوتے انداز میں بیان کیا گیا ہے، اس سبق کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

''۱- نیلا آسمان، روشن سورج، اجلا چاند اور جگمگاتے تارے، کس نے بنائے؟

۲- زمین پر ہوا، ہوا پر بادل، بادلوں میں بجلی اور بجلی میں کڑک کس نے بنائے؟

۳- مینہ کی پھوار، اولوں کی بوچھار، اور برف کے انبار کس نے برسائے؟

۴- دھواں دھار کہرا، بھینی بھینی اوس، اور سفید پالا کس نے جمایا؟

۵- یہ چوڑی چکلی زمین، گہرا سمندر، اونچے اونچے پہاڑ، ابلتے چشمے، بہتے دریا، کس نے بنائے؟'' [ص:۳]

اس طرح نو (۹) نکات میں کائنات کی اہم مخلوقات کا تذکرہ کرکے بچوں کے ذہن میں جہاں ایک طرف الفاظ اور جملوں کی ترکیبات راسخ کرائی ہیں، وہیں اسلامی عقیدہ کی طرف بھی ان کے ذہنوں کو پھیرا ہے۔

اس حصہ سے نثر کے ساتھ نظم کا بھی سلسلہ شروع کیا ہے، کچھ نظمیں تو خود کہی ہیں اور کچھ دوسروں کی نقل کی ہیں: ان کی مشہور نظم کے چند بند ملاحظہ ہوں:

ملے خشک روٹی جو آزاد رہ کر
تو وہ خوف و ذلت کے حلوے سے بہتر
جو ٹوٹی ہوئی چھونپڑی بے ضرر ہو
بھلی اس محل سے جہاں کچھ خطر ہو
[ایضاً، ص:۱۹]

اردو زبان کی تیسری کتاب

کتاب کا آغاز ایک نظم سے ہوتا ہے، جس کا عنوان ہے: خدا کی تعریف

چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا
کیسی زمیں بنائی، کیا آسماں بنایا
پیروں تلے بچھایا کیا خوب فرش خاکی
اور سر پہ لاجوردی اک سائباں بنایا
مٹی سے بیل بوٹے کیا خوشنما اُگائے
پہنا کے سبز خلعت اُن کو جواں بنایا

دوسرے سبق کا عنوان ہے: پرہیزگار:

اس سبق کو مولانا اسماعیل میرٹھیؒ بچوں کی نفسیات کے مطابق چھ نمبروں میں منقسم کیا ہے، پہلے جسمانی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کے بعد باطنی پرہیزگاری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جس طرح سے بد پرہیزی سے انسان کے بدن میں دکھ درد پیدا ہوجاتا ہے، اسی طرح باطن کی بد پرہیزی سے اس کے دل کو طرح طرح کے روگ لگ جاتے ہیں''۔ [ص:۵]

اس حصے کے نمایاں عناوین میں اطاعت، پن چکی، ناریل کا درخت، ورزش، ایک ایماندار لڑکا، حکایت، حسد، دلیری وغیرہ موضوعات ذکر کیے ہیں، دلیری کے تحت کیا ہی معنی خیز شعر لکھا ہے:

نہ حلوہ بن کہ چٹ کر جائیں بھو کے
نہ کڑوا بن کہ جو چکھے سو تھوکے
[ص:۱۹]

اردو زبان کی چوتھی کتاب

یہ حصہ ۶۱؍موضوعات پر مشتمل ہے، کتاب کا آغاز خدا کی قدرت کے عنوان سے ہوتا ہے، اس کے بعد خودرائی کا نتیجہ ایک سبق ہے، جو دو کبوتر کی حکایت پر مشتمل ہے، اس کتاب کے اسلوب کو سمجھنے کے لیے کے عنوان سے [ص ۱۴] پر درج حکایت کا تذکرہ موضوع کی وضاحت کے لیے کافی ہے، لکھتے ہیں:

’’ایک بار سلطان محمود غزنوی نے قنوج پر یورش کی ، یہ شہر اس زمانہ میں نہایت آراستہ و پیراستہ بارونق و مالا مال اور راجہ کنور رائے کا دارالسلطنت تھا، جب سلطانی لشکر قریب پہنچا، تو اس کی عظمت وشوکت دیکھ کر راجہ کو تابِ مقاومت نہ ہوئی ، ناچار سلطان کے روبرو خود حاضر ہوکر اظہارِ عجز و نیاز کیا، یہ کیفیت دیکھ کر سلطان کا دل بھی نرم ہوگیا، شاہانہ لطف ومدارات سے پیش آیا، اور اس کے ملک و مال سے کچھ تعرض نہ کیا، تین روز تک راجہ کے ہاں مہمان رہا ، اور بوقتِ رخصت وعدہ کیا کہ اگر کوئی غنیم تمہاری اذیت کے درپے ہوگا، تو امداد واعانت کے لیے میں خود آؤں گا، جب سلطان واپس چلا گیا، تو راجگانِ ہند نے اس اتحاد واخلاص پر اس کو سخت لعنت ملامت کی، اور راجہ کالنجر کے ساتھ ہوکر قنوج پر سب نے حملہ کیا، سلطان یہ خبر پاکر حسبِ وعدہ اپنے دوست کی کمک کے واسطے روانہ ہوا، مگر قبل اس کے کہ وہ یہاں پہنچے ، کنور رائے کا کام تمام ہوچکا تھا۔ [ص:۱۶]

اس حصہ میں عام طور پر اشعار کے نمونے استاذ شعراء کے ہیں، مثال کے طور ذوقؔ کے یہ اشعار پڑھنے کے لائق ہیں:

کسی بیکس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا
جو آپ ہی مر رہا ہو اس کو گر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
ہنسی کے ساتھ یاں رونا ہے مثل قلقل مینا
کسی نے قہقہہ ایک بے خبر مارا تو کیا مارا
گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

[ص:۳۶]

اردو زبان کی پانچویں کتاب

یہ حصہ ۱۵۱؍صفحات پر مشتمل ہے، اس میں ۶۶؍عناوین کے تحت بچوں کی تربیت کے لیے سبق آموز واقعات اور نظمیں ہیں، پہلا سبق ’’خدا رزاق ہے‘‘ کے عنوان سے ہے، یہ نظم مولوی عبد الحکیم کی تحریر فرمودہ ہے، اس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اے خدا تو خالق و رزاق ہے
اے خدا تو رازق و خلاق ہے
تیری خلاقی تحیر خیز ہے
تیری رزاقی عجب انگیز ہے
آبِ صافی بن کے شکلِ ابر تر
ہے برستا قطرہ قطرہ خاک پر
خاک کو بخشی رطوبت آپ نے
اور حرارت مہرِ عالم تاب نے

دوسرا سبق ’’وقت کا سرمایہ‘‘ ہے، اس کا ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے:

’’یہ وہ سرمایہ ہے جو ہر شخص کو قدرت کی طرف سے عطا ہوا ہے ، جو لوگ اس سرمایہ کو معقول طور سے کام میں لاتے ہیں ، وہی عیشِ جسمانی اور مسرت روحانی حاصل کرتے ہیں، اسی کی بدولت ایک وحشی آدمی مہذب انسان اور فرشتہ سیرت بن سکتا ہے ، اسی کی برکت سے جاہل، عالم، مفلس، تونگر اور نادان تجربہ کار ہوسکتا ہے، اطمینان، خوشی اور آرام انسان کو ہرگز میسر نہیں ہوتا ، جب تک وہ مناسب طریقے سے صرف اوقات نہیں کرتا‘‘۔[ص:۷]

اس طرح سے یہ کتاب متعدد تعلیمی، تربیتی، اصلاحی، اور ثقافتی نیز تاریخی موضوعات پر مشتمل ہے، اخیر میں زراعت اور اس کی اقسام کی تفصیل بیان کی ہیں۔

مذکورہ سلسلۂ کتب کی چند خصوصیات

۱-اردو زبان سکھانے کا اچھا اسلوب
۲-اسلامی ذہن سازی میں معاون کتاب
۳- بچوں کی نفسیات کے لحاظ سے نثر کے ساتھ نظم کا حصہ
۴-معلومات عامہ کا ذکر، تاکہ بچے دنیا کے تغیرات سے واقف ہوں
۵-مشکل الفاظ کی مستقل فہرست ، تاکہ یہ الفاظ ہر لحاظ سے قابل حل ہوں۔

اختتامیہ

بلاشبہ مولانا اسمٰعیل میرٹھی کی یہ کتاب متنوع فوائد کی حامل ہے، بچوں کو ان کی عام زبان میں خطاب کرنا اور آسان معلومات کو دلکش انداز میں کرنا ، یہ بڑی مہارت اور تجربہ چاہتا ہے، مولانا اسمٰعیل میرٹھی کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اس میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے ، اور لاکھوں افراد اس سے فیضیاب ہوچکے ہیں ، اس کے ذریعہ سے جہاں انہوں نے ایک طرف اردو زبان کی خدمت کی ہے ، وہیں دوسری طرف دینِ اسلام کی تعلیمات اور تاریخی معلومات کو نسل نو کے بالکل قریب کردیا ہے، بلاشبہ مولانا اسماعیل میرٹھی پوری ملتِ اسلامیہ کی طرف سے شکر و سپاس کے مستحق ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اس عظیم خدمت کا شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے ، اور جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

راہِ نجات

محمد عربیؐ کی پوری زندگی اور صحابہ کرامؓ معیارِ حق

مولانا سید صہیب حسینی ندوی

دنیا جب اندھیروں میں ڈوبتی ہے تو اس کو روشنی، چراغ اور ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہے، ہر ہر زمانہ میں ہر ہر قوم کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو بھیجتا رہا ہے، ارشاد ربانی ہے: "وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ" رحمۃ للعالمین سید الاولین والآخرین اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت بھیجنے کا ارادہ کیا جس وقت گذشتہ تعلیمات اندھیروں میں ڈوب چکی تھیں، اس کے ماننے والے اس کے باغی بن گئے تھے، ردوبدل اور تحریفات کرکے دنیا کمانے میں لگے ہوئے تھے، اسی بات کو کئی جگہ قرآن کریم اس طرح ذکر کرتا ہے: "يَشْتَرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ ثَمَناً قَلِيْلاً" معمولی دنیا کی خاطر، معمولی پونجی کی خاطر آیات الٰہی کو بیچتے رہتے ہیں۔

گھٹاٹوپ اندھیروں، ظلمت کی تاریکیوں، ظلم و بربریت کی وحشت ناک صورتحال کو بدلنے کے لیے اور نور نبوت سے دنیا کو روشن کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے سب سے اخیر میں خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے چالیس سال اور نبوت کے بعد تیرہ سال مکی زندگی میں اور دس سال مدنی زندگی میں اس انداز سے کلمہ "لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" کو عام کیا اور پھیلایا کہ مکہ و مدینہ کی گلیوں میں، سڑکوں میں، گھروں میں اور در و دیوار میں یہ آواز پیوست ہوگئی اور انسانیت کے اندھیرے اور تاریک دلوں میں وہ شمع فروزاں بن گئی اور نور ہدایت سے مردہ دلوں کو زندہ کردیا اور ایسا مضبوط اور نورانی بنادیا کہ بڑی سے بڑی مصیبت سخت سے سخت تکالیف اور پریشانیاں ایمان سے دوری کا کیا بلکہ قربت کا ذریعہ بنتی چلی گئیں، اور زبان پر بس ایک ہی نعرہ مستانہ تھا: "أحد أحد" یعنی اللہ ایک ہے، دیکھتے دیکھتے یہ قافلہ ایک دو تین سے شروع ہوکر حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چوبیس ہزار، یا ایک روایت کے اعتبار سے ایک لاکھ چوالیس ہزار کا ٹھاٹیں مارتا ہوا سمندر بن کر قیامت تک کے لیے ساری انسانیت کو وہ پیغام دینے لگا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں علی الاعلان پیغام حق کی بنیادی باتوں کو بتلا کر اور صحابہ کرام کو ذمہ داری دیتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا تھا: "اللّٰھم اشھد، اللّٰھم اشھد، اللّٰھم اشھد" اے اللہ! تو گواہ رہ۔

اسی حجۃ الوداع کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً" کہہ کر دین اسلام کی تکمیل اور نعمتوں کے اتمام کا بھی اعلان کردیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری انسانیت کو اور سارے مسلمانوں کو بے یار و مددگار اور خالی ہاتھ چھوڑ کر نہیں گئے بلکہ آپؐ سب کے لیے بہت فکر مند تھے، پریشان رہتے تھے اور آخری وصیتوں میں سے ایک اہم وصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرمائی تھی: "ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما ان تمسکتم بھما: کتاب اللّٰہ وسنۃ رسولہ" (تمہارے لیے میں دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، اگر تم نے ان کو مضبوطی کے ساتھ تھام لیا اور زندگی میں اتار لیا تو کوئی چیز تم کو گمراہ نہیں کرسکتی، ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم اور دوسری چیز سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)۔

آج امت مسلمہ نے ان دونوں چیزوں کو یا تو چھوڑ دیا ہے یا پھر دنیا پرستی کی چادر نے اندھا بنادیا ہے، اس کے نتیجہ میں ہر طرف ہاتھ پیر مار رہے ہیں لیکن نہ تو کامیابی مل رہی ہے اور نہ چین و سکون اور ہدایت ان راستوں سے تلاش کی جارہی ہے جن کو کتاب ہدایت نے شیطانی راستے اور بھٹک جانے والے راستوں سے تعبیر کیا ہے۔

اگر ہم دین و دنیا کی کامیابی چاہتے ہیں تو ہر ہر کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے آگے قدم بڑھائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد جس جماعت صحابہ کرام کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور ان پر دعوت و تبلیغ کی ایسی ذمہ داری ڈالی کہ وہ دنیا میں اسلام کا پرچم لے کر بڑھتے چلے گئے اور ہر ہر جگہ دین اسلام کو غلبہ عطا کردیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگ چکے تھے، ایمان کے معیار پر اتر چکے تھے، روحانی کمال اور جسمانی صلاحیتوں سے مالا مال تھے، اسی لیے "کانوا فرساناً فی النھار ورھباناً فی اللیل" دن کے شہسوار اور رات کے عبادت گزار جیسے القاب سے یاد کیے جاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ منافقین اور یہود و نصاریٰ کا تذکرہ کرتا ہے

اور ایک جگہ منافقین کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے، تمہارا ایمان اسی وقت صحیح اور خالص ہوگا جب تم "الناس" کی طرح ایمان لے آؤ، سارے مفسرین کے نزدیک یہاں "الناس" سے صحابہ کرامؓ مراد ہیں، ارشاد ربانی ہے: "وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ آمِنُوْا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوْا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ،أَلَا اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلٰكِنَّ لَا يَعْلَمُوْنَ" (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسا کہ لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جیسا کہ بے وقوف ایمان لائے ہیں، سن لو وہی بے وقوف ہیں لیکن جان نہیں رہے ہیں)۔

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ سے کہہ رہا ہے کہ تم اپنے ایمان کا دعویٰ کرتے رہتے ہو اور اپنے کو ہدایت یافتہ سمجھتے ہو، یہ تمہاری غلطی ہے، ایمان والے اور ہدایت یافتہ اس وقت کہلاؤ گے جب جماعت صحابہ کی طرح ایمان لاؤ گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا، وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ" (اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں جیسا کہ تم ایمان لائے ہو تو یہ ہدایت کے راستہ پر ہو جائیں گے اور اگر یہ روگردانی کرتے ہیں تو اصلاً یہ ضد و عناد میں ہیں)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت صحابہ کی صفت اور ان کی ایک خوبی بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے دین کے سلسلہ میں بہت مضبوط، سخت اور طاقت ور ہیں، کافروں اور اہل باطل کے سامنے نرمی و بزدلی نہیں دکھاتے ہیں، بلکہ ڈٹ کر جم کر، واضح انداز سے پیغام حق پہونچاتے ہیں اور آپس میں بہت ہی زیادہ نرم مزاج، رحم و کرم اور مہربانی کا معاملہ کرنے والے ہیں، ارشاد ربانی ہے: "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" (محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان پر ایمان لائے ہیں وہ کافروں کے حق میں بہت سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں)۔

قرآن کریم میں صحابہ کرام اور اہل ایمان کی اہمیت، مقام اور بہت سی صفات بیان کی گئی ہیں اور انہی صفات کی وجہ سے "رضی اللہ عنهم و رضوا عنه" (اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی) کا پروانہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دیدیا، لیکن اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ رضامندی کا پروانہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے، اللہ کا پاس و لحاظ رکھتا ہے، اللہ کی نافرمانی نہیں کرتا ہے: "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ" (اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یہ رضامندی ہر اس شخص کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرنے والا ہے)۔

احادیث مبارکہ میں بھی بہت صراحت کے ساتھ یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو نمونہ بناؤ، جو جماعت اس پر عمل کرے گی وہ نجات پائے گی اور جو اس کے خلاف کرے گی وہ گمراہ ہو جائے گی، ایک حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "میری امت بھی یہود و نصاریٰ کی طرح فرقوں میں، گروہوں میں، ٹولیوں میں بٹتی چلی جائے گی، اور یہود و نصاریٰ کی اتباع کرنے لگے گی، ہو بہو ان کے طور طریق کو اختیار کرنے لگے کی، پسند کرنے لگے گی اور ان کے راستہ پر پڑ جائے گی، اور یہود و نصاریٰ بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم اور بٹ جائے گی، سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک جماعت کے، صحابہ کرامؓ یہ باتیں سن کر پریشان ہو گئے اور فرمانے لگے کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون سی جماعت ہوگی جس کو نجات ملے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: "ما أنا عليه وأصحابي" جو جماعت میرے اور میرے صحابہ کے راستہ پر اور نقش قدم پر ہوگی صرف اسی ہی کو آخرت کی نجات ملے گی، باقی سب گمراہی میں پڑ کر جہنم میں جانے کی مستحق ہو جائیں گی۔

ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين عضوا عليها بالنواجد" (میری سنت کو اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو)۔

ایک دوسری جگہ حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللّٰه اللّٰه في أصحابي لاتتخذوهم من بعدي غرضاً" (میرے صحابہ کے بارے میں ڈرتے رہنا، ان کو ہدف ملامت نہ بنانا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں بہت اہم وصیتیں فرمائی تھیں اور حکم دیا تھا، ایک حدیث شریف میں فرمایا: "الصلاة وما ملكت أيمانكم" (نماز کی پابندی کرتے رہنا اور ماتحتوں پر زیادتی نہ کرنا)۔

اسی طرح ایک حدیث شریف میں آپ نے اس کے ساتھ ساتھ "وعترتي وأهل بيتي" بھی فرمایا یعنی تمہارے اہل بیت کا خیال رکھنا اور ان کے نقش قدم پر چلنا۔

مذکورہ احادیث مبارکہ سے یہ بات واضح سمجھ میں آتی ہے کہ اپنے کو گمراہی سے بچانے کے لیے،

اللہ تعالیٰ کے غضب سے دور رکھنے کے لیے اور باطل اور اہل باطل سے پنجہ آزمائی کے لیے نماز کا اہتمام، ظلم وزیادتی سے اجتناب اور خاص طور پر پوری زندگی میں مکمل قرآن کریم اور احادیث مبارکہ اور سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کر کے صحابہ کرام اور اسوۂ اہل بیت کو سامنے رکھتے ہوئے کام کرنے کی صورت میں گمراہی قریب نہیں آئے گی اور اگر قریب بھی آئی تو پاش پاش ہو کر ختم ہو جائے گی یا دور بھاگ جائے گی اور ہم اس کے فتنوں سے محفوظ رہیں گے۔

آج ہماری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ ہم نے قرآن وحدیث سے منہ موڑ لیا، راہِ اعتدال کو چھوڑ دیا، قرآن کریم کے بعض حصہ کو ماننے لگے، اور بعض کا انکار کرنے لگے، اور کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کو نمونہ بنانے لگا اور کوئی مدنی زندگی کو، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہم سے مطالبہ کر رہا ہے کہ پورے دین اسلام پر عمل کرو: "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً". (اے ایمان والو! مکمل دین میں داخل ہو جاؤ)۔

اور دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے کہ: اگر تم نے یہودیوں کی طرح بعض حصہ کو مانا اور بعض کا انکار کیا یا تاویلات فاسدہ کیں یا تحریفات معنوی کی تو تمہارا انجام بہت برا ہوگا، دنیا میں ذلت ہاتھ لگے گی اور آخرت میں دردناک عذاب، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتَابِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَاجَزَاءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیَامَۃِ یُرَدُّوْنَ اِلٰی اَشَدِّ الْعَذَابِ" (کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو، اسکا بدلہ تم کو دنیا میں ذلت ورسوائی کی شکل میں ملے گا اور قیامت کے دن سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے)۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بارے میں قرآن کہتا ہے: "لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ" (حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تم سب کے لیے بہترین نمونہ ہے)، اور کہیں فرمایا: اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو سچی محبت اسی وقت سمجھی جائے گی جب تمہاری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر اور ایک ایک چیز کی نقل کرنے میں گزر رہی ہو، ارشاد ربانی ہے: "قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ" (آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرنے لگے گا)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہم اپنی پوری زندگی قرآن وحدیث کی روشنی میں گزارنے والے بنیں اور دعوتی کاموں میں لگ کر جس وقت جو انداز بہتر، مفید اور مؤثر ہو اس کو اختیار کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل سیرت اس کی شاہد عدل ہے، اور خلفاء راشدین ابوبکر وعمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگیاں بہت کھلے انداز سے ہماری رہنمائی کرتی ہیں، یہ حضرات اپنے فطری مزاجوں کے باوجود دین اسلام کی خاطر نرم وگرم ہوتے رہتے تھے، اور یہی چیز حسنین رضی اللہ عنہما کا بہترین نمونہ ہے، ان دونوں جنت کے سرداروں نے قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے بہت ہی بہترین راہ دکھائی ہے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے آپسی تفرقہ بازی، خون وخرابہ، مار دھاڑ اور فتنہ وفساد سے امت کو بچانے کے لیے خلافت عامہ چھوڑ دی اور امت کو یہ سبق سکھا کر گئے ہیں کہ صلح وصفائی اور آپسی انتشار کو ختم کرنے کے لیے اگر بڑے سے بڑا عہدہ چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دینا چاہیے، نفس کو دبا کر صلح وصفائی کے لیے بڑے سے بڑے کام کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ذریعہ امت مسلمہ کے سامنے یہ نمونہ رکھدیا کہ اگر باطل سے مقابلہ ہو، دین اسلام داؤں پر لگ جائے، خلافت راشدہ اور دور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ نکالا جا رہا ہو، ظلم و بربریت کا ننگا ناچ ہو، صحابہ کرام اور اہل حق کو مارا جا رہا ہو، یزید اور عبید اللہ بن زیاد جیسے بدبخت دین اسلام کو ختم کرنے میں لگ جائیں تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کی طرح قربانی دینے میں پیچھے نہ رہنا، شہادت کو ناکامی نہ سمجھنا بلکہ قربانی کے بعد ہی نئی صبح روشن ہوتی ہے، اسی بات کو شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے ؎

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اگر آپ کو اسلام سے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین سے واقعی محبت ہے تو سب سے پہلے سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیرت خلفاء راشدین اور سیرت صحابہ خوب پڑھئے، زندگی میں اتارنے کی کوشش کریئے، اور ایک ایک سنت کو دل وجان سے زیادہ عزیز رکھئے، ان شاء اللہ دین و دنیا کی کامیابی، عزت وسربلندی اور چین وسکون کا وہ نسخہ کیمیا ہاتھ آئے گا جس سے رنج کافور ہو جائیں گے، عمل میں مزا آئیگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ان شاء اللہ آخرت میں نصیب ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عاشق رسول بنا کر آخرت میں حق شفاعت عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

☆☆☆☆☆

اصلاح ودعوت

سیرت کا پیغام انسانیت کے نام

محمود حسن حسنی ندوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، پھر ہجرت اور پھر وفات کا سانحۂ عظیم امت کو یہ پیغام دے رہا ہے کہ یہ امت ایک عظیم کام اور مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے، اس بات کو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جتنا سمجھا تھا کسی اور نے نہیں سمجھا، صحابۂ کرامؓ کی جماعت ابتدا میں بس تین چار افراد پر مشتمل تھی پھر وہ تعداد سات، دس تک پہنچی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت سعید بن زید، حضرت زبیر بن عوام، حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت خباب بن الارت، حضرت خبیب بن عدی، حضرت بلال بن رباح، حضرت ابوذر غفاری، حضرت جعفر طیار اور دوسرے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جنہوں نے کیسی کیسی تکلیفیں اٹھائیں مگر عقیدہ وعمل ومحبت رسول میں ٹس سے مس نہ ہوئے، جب حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ مشرف با اسلام ہوئے تو صحابہ کو بڑی طاقت حاصل ہوئی، اور کھل کر دعوت دی جانے لگی، مگر مکۂ معظمہ میں سخت حالات کا سامنا ہوا، اور صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بڑے ہی صبر وضبط قربانی وایثار وفدائیت کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کیا اور دین پر جمے رہے اور سخت سے سخت مخالف بھی ایک ایک کرکے دائرۂ اسلام میں آتے چلے گئے لیکن طائف کی اذیت رسانی نے سب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مایوس نہ تھے لیکن اس صبر وضبط کا نتیجہ معراج و اسراء کی صورت میں سامنے آیا اس پر اگرچہ دشمنوں نے تمسخر کیا اور صحابہؓ سے دریافت کیا کہ اب کیا کہتے ہو کیا اس کو بھی مانو گے کہ تمہارے نبی پل بھر میں آسمان کی سیر کر آئے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تصدیق نے پھر دشمنوں کو گنگ کر دیا پھر بھی دشمنوں کے خیموں میں حسد کی آگ بھڑکتی رہی اور وہ اپنی خبیثانہ حرکتوں سے باز نہ آئے، یہاں تک کہ شہید کرنے کی نہ صرف پلاننگ کی بلکہ اس کو عملی جامہ پہنا ہی دیا تھا کہ ہجرت کا حکم ہوا اور مدینہ کی ہجرت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا بستر عنایت فرمایا جس کے انوار سے منور ہونا ان کا نصیب تھا، ایک طرف غار ثور میں دشمنوں نے پیچھا کیا، اور اللہ پر یقین وتوکل میں شانِ صدیقی ایسی جلوہ گر ہوئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی اس رات کی معیت کو ہی ان کی فضیلت ومنقبت کے لیے کافی سمجھتے تھے اور ان کے ایمان ویقین کو سب کے ایمان ویقین پر بھاری سمجھتے تھے کہ روئے زمین پر سب کا ایمان ایک پلڑہ میں ہو اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان ایک پلڑہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ کے ایمان کا پلڑہ بھاری رہے گا، امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے، یہ ایسی معیتِ رسول تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا حال بیان کیا اور فرمایا: "اِذْ قَالَ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" یہ ایسی معیت تھی کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے بڑے بلیغ انداز و پیرایہ بیان میں اپنی معیت قرار دیا ہے، یہ ایسی معیت تھی کہ جس کا پیچھا کرنے والے اگرچہ پیچھا کرتے رہے بالآخر ان کے گھوڑے کا پاؤں دھنس گیا اور وہ عاجز ہوگئے، ان کی اس بے بسی نے ان کو حق وباطل کا فرق دکھایا، یہ پیچھا کرنے والے سراقہ بن مالک بن جعشم تھے جنہوں نے پھر پیچھا نہیں کیا بلکہ اسلام قبول کیا، یہ ایسی معیت تھی کہ جب مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اور صاحبِ رسول ساتھ چل رہے تھے تو لوگ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف پہلے لپکنے لگے کہ یہی ہیں جن کے ہم منتظر ومشتاق تھے، ان لوگوں کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ کرتے اور خود پہل نہ کرتے، پھر فرق کے لیے رسول اللہ علیہ وسلم پر رومال ڈال دیا تاکہ نبی وصحابی کے درمیان امتیاز رہے، حالانکہ یہی صدیق اکبر ہیں کہ ایک موقع پر ایک دوسرے صحابی اور وہ بھی کم مرتبہ کے صحابی نہیں بلکہ بڑے مرتبے کے انصاری صحابی حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ ہیں جو راستے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کچھ آگے بڑھنے لگے تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا بلکہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پیچھے چلنے کو کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قرب وتعلق کو اس سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، اخلاق، اخلاص عمل اور مزاج و ذوق میں بھی یکسانیت تھی، بلکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عکسِ جمیل تھے، کیوں قرآن حکیم ان کے اس وصف جمیل کو چھپاتا اور مستور رکھتا، "ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ" سے ان کی صحابیت و رفاقتِ حق کا اعلان کیا، پھر کیسے یہ بابرکت ہستی جس کی مصاحبت قبل از نبوت بھی تھی اور بعد از نبوت بھی اول دن سے رہی، اور اول لمحے سے آخر لمحے تک مسلسل تصدیق جاری رہی، کون ہے جو منشاء و مزاج نبوی و مزاج و معاشرت کو ان سے زیادہ سمجھتا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر ایسا اعتماد تھا اور یقین تھا کہ آپ نے امت کے لیے کسی کی نامزدگی ضروری نہیں سمجھی اگر سمجھتے تو اس نام سے اوپر کوئی اور نام نہ ہوتا، جس کا قرآن نے صراحت سے تذکرہ کیا، ہاں رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ کے منشاء و مزاج کو اللہ رب العزت کی مرضی و مشیت کو دین و شریعت کے جذبۂ تحفظ و بقاء کو سیدنا علی بن ابی طالب نے خوب سمجھا تھا، کیا بلیغ جملہ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ کیسے ہم ایسے شخص کی امامت و امارت پر راضی نہ ہوتے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی سب سے مہتم بالشان چیز نماز میں امام بنایا تو کیسے ہم ان کی دنیوی معاملات میں سیادت پر راضی نہ ہوتے؟ امام ذہبیؒ نے تاریخ الاسلام میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ بات ان کے تذکرہ میں نقل کی ہے، سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعتماد کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے، جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کے وقت اپنے بستر پر لٹا کر کیا گیا تھا اور امانتیں سپرد کی تھیں کہ امانت والوں کو وہ پہنچا دیں، جبکہ وہ دشمنوں کے نرغے میں تھے، کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شرف و سعادت کے لیے یہ کافی نہیں کہ ان کو انوار نبوت کو اس بستر کے ذریعہ سمیٹنے کا کیسا حسین موقع اللہ کی طرف سے ملا تھا، اور جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ۹ھ میں امیر الحج بنا کر مکہ معظمہ بھیجا تو بعض ہدایات کے لیے سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو بھی ساتھ کیا۔ یہی علی مرتضی رضی اللہ عنہ ہیں کہ جن کو خیبر کے قلعہ کے فتح کے لیے چنا گیا اور یہ فرما کر چنا گیا کہ جھنڈا ایسے شخص کو دیا جائے گا جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب ہے اور اللہ اور اس کا رسول اسے محبوب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چہیتی بیٹی سیدہ نساء العالمین فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو اپنے انہی محبوب چچازاد بھائی اور پھر مواخات کی حیثیت سے بھائی سیدنا علی مرتضی کو چنا اور اللہ نے ان کی دختری اولاد کو اس رشتہ کے ذریعہ بقاء و دوام بخشا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اگرچہ ان دونوں کے بعد ایمان لائے مگر اپنی بعض خداداد صلاحیت و صلابتِ فکر و عمل سے دربار نبوت میں وہ مقام حاصل کیا، جو ابتدائی ایمان والوں کو حاصل تھا، اور فرمایا پچھلی امتوں میں محدَّث (ملہم) ہوتے رہے ہیں، اگر میری امت میں کوئی ملہم ہوسکتا ہے تو عمر ہوتے، اور ایک دوسری حدیث ہے جس میں فرمایا کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے، اس میں بلیغ انداز میں ختم نبوت کے عقیدہ کا اظہار فرمایا اور دوسری طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ فضیلت ظاہر فرمائی جس سے ان کے اندر نبوت کی صلاحیت کا اشارہ دیا، اگرچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے بڑے معترف و قدرداں تھے اور ان کو مشوروں کو اپنی رائے پر نہ صرف ترجیح دیتے بلکہ بعض اقدامات میں ان کے مشورے و رائے سے پیچھے بھی ہٹ گئے، ان کا یہ جملہ معمولی نہیں ہے کہ: "لولا علی لھلك عمر" (کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر کو نقصان پہنچ جاتا)، تفصیل کے لیے حکیم لاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۱۱۴-۱۱۷۶ھ) کی معرکۃ الآرا کتاب 'ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء' ملاحظہ ہو۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کے بعد ایک دختر عطا کی اور اس کی نسبت سے وہ 'ذوالنورین' کہے گئے، اور جب دوسری صاحبزادی کا بھی انتقال ہوگیا تو فرمایا اگر میری اور بیٹی ہوتی تو وہ بھی عثمان کو دے دیتا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے امت پر بڑے احسانات ہیں، اور دوسری طرف انسانیت پر ان کے احسانات ہیں، بدر و احد و خندق کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ کیا، احرام باندھا اور صحابہ کے ساتھ چل پڑے وہ صحابہ جن کو قرآن پاک نے کہا: "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ، تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَاناً سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ" اور ان کی مثال بیان کی، اور پھر فرمایا کہ 'لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ' اسی لیے امام مالک کا مسلک ہے کہ صحابہ سے غیظ باعث کفر ہے، [تفسیر قرطبی] جب عمرے کے ارادہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ مدینہ منورہ سے نکلے اور حدیبیہ کے مقام پر رکاوٹ پیش آئی تو مکہ معظمہ بات کرنے کے لیے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ کو بھیجا، مگر عشقِ الٰہی، وفاءِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شان کے ساتھ وہاں رہنے اور مشرکین وکفار کی طرف سے طواف کی اجازت ملنے کے باوجود اپنے لیے طواف کرنا گوارہ نہ کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر ہو، اور کچھ افواہیں آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق گرم ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بیعت لی جو بیعت رضوان کہلائی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت اپنے مبارک ہاتھ پر غائبانہ لی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بات چیت کے بعد خیر وعافیت سے واپس آئے اور پھر حدیبیہ میں صلح کا وہ عجیب وغریب واقعہ پیش آیا، جو فتحِ مبین بن کر بعد میں نظر آیا۔ جس کو قرآن مجید نے کہا: "اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيْناً" [سورۃ الفتح] مشہور تابعی اور سید المحدثین امام زہری کے نزدیک اس مدت میں جو دو سال کی تھی جتنے لوگ ایمان لائے اس سے پہلے ۱۹؍سال کی مدتِ تبلیغ میں ایمان نہیں لائے تھے، جو اخلاق نبویؐ، اخلاق صحابہؓ کو دیکھ کر، نبویؐ معاشرہ کو جان کر ایمان لائے، یہ نبویؐ معاشرہ صحابہؓ ہیں، اس مثالی ایمانی معاشرہ سے متاثر ہو کر اور ان احوال واقعی کو سن کر جن کے اندر ایمان داخل ہوا اور وہ لوگ تین چار سال کے اندر (فتح مکہ) تک ایمان لائے ان میں حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن عاص جیسے قائد وفاتح پہلے اور پھر فتح مکہ کے موقعہ پر حضرت معاویہ بن ابی سفیان جیسے حاکم عادل اور ان کے والد حضرت ابوسفیان ایمان لائے حالانکہ یہ لوگ اب تک ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدمقابل رہے تھے لیکن آپ کے اخلاق کریمانہ نے ان پر ایسا اثر ڈالا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلدادہ ہوگئے، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے تھے اور خود حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا کی بات بھی یہ منقول ہے کہ بیعت نبویؐ سے پہلے میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی روئے زمین پر سب سے زیادہ مبغوض تھی لیکن بیعت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی روئے زمین پر سب سے زیادہ محبوب ہوگئی۔ (مختلف عہد اور ادوار میں ایمان لانے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم سطور کی کتاب ''تاریخ اصلاح وتربیت'' جلد دوم، مطبوعہ سید احمد شہید اکیڈمی، رائے بریلی)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام دیا: "ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" [ابوداؤد] زمین والوں پر تم مہربان ہو اللہ تم پر مہربان ہوگا، یہ صفت رحمت صحابہ کی خاصیت بن گئی، ایسی خاصیت کہ قرآن مجید نے اس جماعت کے افراد کو آپس میں مہربان پایا کہ: "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" ان کی یہ صفت رحمت پوری انسانیت پر عام تھی، اسی نے ان میں سارے انسان کے لیے یہ بے چینی اور دلسوزی پیدا کر دی تھی کہ سبھی راہ ہدایت پر آجائیں اور جنت مکیں ہو جائیں، لیکن اللہ کی محبت ان میں اس قدر غالب تھی کہ اللہ کے دشمنوں پر وہ تیغ براں ہوئے، انہی کو کہا گیا: "وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُباً لِلّٰهِ" (ایمان والے اللہ کی محبت میں پورا زور رکھتے ہیں) اور کہا گیا: "اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" آپس میں مہربان، اہل کفر کے ساتھ لچک نہ رکھنے والے ہیں، اور کہا گیا: "اَذِلَّةً عَلَى الْمُؤمنينَ اَعِزَّةً علىَ الْكَافِرِيْنَ" (اہل ایمان پر بڑے نرم خو، اہل کفر پر سخت) اور ہدایت کی گئی: "وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" (اہل ظلم و شرک کی طرف میلان اور رجحان بھی نہ کرو، ایسا ہونے کی صورت میں جہنم کی آگ کی گرفت میں آجاؤ گے) چنانچہ یورپ کی شہنشاہیت نے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے آپسی نزاعات کو دیکھ کر یہ محسوس کیا کہ انہیں لالچ دے کر اپنایا جا سکتا ہے تو حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے بحیثیت حاکم شام کے جب کہ وہ ایک لشکر کی قیادت کر رہے تھے کہا یاد رکھنا کہ ایسا ہونے کی صورت میں علی کے لشکر کے سپاہی کی حیثیت سے تیرا مقابلہ کروں گا اور پرانچے اڑا دوں گا، تفصیلی مکالمے کا موقع نہیں لیکن حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجتماعیت قائم کرنے کے لیے وہ مبارک ومسعود قدم اٹھایا کہ حکومت سے دستبرداری اختیار کی اور امت کے درمیان تفرقے کو مٹا دیا، صحابہ کی حکمرانی کا ایک بڑا فائدہ یہ نظر آیا کہ غلام اور آقا کا فرق مٹ گیا، اگر کوئی ایسی بات سامنے آئی جو اس کے مطابق نہیں تھی تو اس طرح مواخذہ ہوا: "متى استعبد تم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احراراً" (کب سے تم نے لوگوں کو غلامی میں لے لیا جبکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا)، یہ بات صرف قول وقرار تک نہ تھی بلکہ اس کو عملی جامہ بھی پہنایا کہ حاکم یا حاکم زادہ کیوں نہ ہو ظلم کی سزا اسے بھی دی جائے گی، چنانچہ ایک امیر زادے کی شکایت دربارِ فاروقی میں پہنچی کہ اس

نے قبطی زادے کی سرزنش اس کے گھوڑے کے آگے نکلنے پر کی تھی، فاروق اعظم نے طلب فرمایا اور سزا کے طور پر کوڑے لگوائے، کیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ عمل غیر معمولی نہیں ہے کہ اپنی جان قربان کردی لیکن اپنے باغیوں کے اوپر تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی کہ ان کی نسبت سے کسی انسان کا خون بہے یہ انہیں گوارہ نہیں۔

انسانوں میں بڑے فروق امتیاز اور تفاوت درجات کی تقسیم زبان قوم خاندان، مذہب، علاقہ اور دوسرے اسباب کی بنا پر اتنی دوری تھی کہ انسان انسان کو جانور سمجھتا تھا، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نمازوں سجدوں دعائے نیم شبی، آہِ سحرگاہی سے انسانیت کو یہ پیغام دیا کہ:"انا شهيد ان العباد كلهم اخوة" (میں گواہ ہوں کہ آدمی سب کے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں) یہ اخوت بھائی چارہ اس اخوت بھائی چارہ سے عام تھی جو ایمانی بنیاد پر قائم تھی جس کو قرآن نے کہا: "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" (اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) اور ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجر و انصار کا ایک دوسرے سے بھائی چارہ کرایا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ شرف بخشا تھا کہ ان سے خود بھائی چارہ کیا تھا، یہ بھائی چارہ انسانیت کے لیے بڑا پیغام لے کر آیا، اس سے وہ محبت پیدا ہوگئی تھی جو رشتے کی محبت سے آگے تھی، یہ محبت اتنی گہری تھی کہ ایک کی تکلیف دوسرے کی تکلیف سمجھی جاتی، دینی بنیاد پر اس انفرادی بھائی چارے کے علاوہ ایک اجتماعی اور کلی بھائی چارہ بھی تھا جس کو قرآن پاک نے بیان کیا اور حدیثوں میں اس کی تفصیلات آئیں: "المسلم اخو المسلم" (مسلمان مسلمان کا بھائی) "المسلمون كالجسد الواحد" (مسلمان آپس میں ایک جسم کی طرح ہیں) اور دوسری طرف فرمان نبوی میں اس کی تاکید کی کہ:"كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَاناً" (سبھی لوگ آپس میں بھائی بن کر رہو)، خاندانی اور دینی اخوت اور بھائی چارہ کے بعد اس میں انسانی بھائی چارے کی طرف بھی ترغیب ہے۔

ایک عربی زادہ رستم کے دربار میں بڑے طمطراق سے جاتا ہے اور صاف صاف کہتا ہے: "اللّٰه ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة الله وحده" (اللہ نے ہم کو بھیجا ہے کہ ہم جس کو اللہ چاہے انسانوں کی غلامی سے نکال کر ایک اللہ کی بندگی میں لائیں) یہ وہ نعرہ تھا جس نے انسانوں میں غلام اور آقا کا فرق توحید کا نعرہ دے کر مٹا دیا، اور انسانی مساوات کا اعلان کردیا، پھر حجۃ الوداع کا پیغام فتح مکہ کا اعلان اور امت کے نام آخری نصیحت بلکہ وصیت سبھی اللہ کی وحدانیت پر نہ صرف یقین پیدا کرتی بلکہ اس سے تعلق مضبوط کرتی ہیں، انسان کو وہ رتبۂ عالی عطا کرتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر بتادیا تھا:"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ" (اور ہم نے آدمیوں کو عزت بخشی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں:"ان ربكم واحد وان اباكم واحد" (تمہارا رب بھی ایک، تمہارا باپ بھی ایک) کہہ کر اور کہیں "كلكم من آدم و آدم من تراب" (سب کے سب آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے تھے) اور یہ واضح کرکے کہ: "لا فضل لعربي على اعجمي ولا لعجمي على عربي" (کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل نہیں)، "ولا لأبيض على أسود ولا لاسود على ابيض" (اور نہ ہی کسی گورے کو کالے پر اور نہ ہی کسی کالے کو گورے پر برتری حاصل ہے): "الا بالتقوىٰ" (ہاں فضیلت و برتری اللہ سے تعلق اور تقوے پر ہے) اسی طرح قرآن کا یہ اعلان:"اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ" (تم میں یقینی طور پر اللہ کے یہاں زیادہ زیادہ عزت والا زیادہ تقویٰ والا ہے) نسل آدم کے ہر فرد کے لیے اعلیٰ مراتب کے حصول کا راستہ یہاں متعین کردیا گیا اور ایسا نسب نامہ بتادیا گیا جو سارے آدمیوں کا نسب نامہ ہے اور قطعی اور یقینی ہے۔

صحابہ نے ملکوں ملکوں پھر سبھی انسانوں کے دل و دماغ پر اس حقیقت اور کامیابی کو راز کو بٹھایا اور راسخ کیا، چنانچہ اسلام کی آغوش میں افریقہ کے جنگلات میں وحشی سمجھے جانے والے بسے انسان نہ صرف انسان بلکہ انسانوں کے رہبر بن گئے، ظلم و بربریت نہ صرف ختم ہوئی بربر قوم نے اسلام کا جھنڈا ہاتھ میں لیا اور علم کی ناشر قوم بن گئی، مصر کی فرعونیت زمیں دوز ہوگئی، فارس کا غروب ٹوٹ گیا، یورپ کی شوکت مانند پڑ گئی، کتنے ملکوں کی زبانیں بدل گئیں، پوری ترک قوم مسلم قوم بن گئی، اور یہی کچھ افغان قوم کے ساتھ ہوا، ہند و چین میں بھی دین اسلام سربلند ہوا، اس کی تہذیب عام ہوئی اور اس کی ثقافت کا چلن ہوا، کیوں ایسا نہ ہوتا قرآن نے نقل کیا: "وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْناً" (تمام لوگوں سے اچھی اور بھلی بات کہو) اور حدیث میں کہا: "خالق الناس بخلق حسن" (سب لوگوں کے ساتھ اچھے برتاؤ سے پیش آؤ۔

یہ ہے سیرت کا پیغام انسانیت کے نام اور یہ ہے نبوت کا انسانیت کو عطیہ اور لازوال تحفہ۔

☆☆☆☆☆

کاروان رفتگاں

مولانا سمیع الحق شہیدؒ- دینی وملی خدمات

● .....محمد جاوید اختر ندوی

۲۳؍صفر المظفر ۱۴۴۰ھ مطابق ۲؍نومبر ۲۰۱۸ء جمعہ کو بعد نماز عصر پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد سے متصل شہر راولپنڈی کے حساس ترین علاقہ میں مشہور عالم دین مولانا سمیع الحق کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا گیا، مولانا مرحوم نے ساری زندگی اسلام کی خدمت میں گزار دی، اور شہادت کی موت پا کر عند اللہ سرخرو ہوگئے، مولانا کی شخصیت ہمہ جہت وہمہ گیر تھی، دین کے ہر میدان میں آپ نے خصوصی حصہ لیا، درس و تدریس، تصنیف وتالیف، وعظ ونصیحت اور قیادت وسیادت غرض ہر میدان کے آپ شہسوار تھے، مولانا کی پوری زندگی جہد مسلسل، عمل پیہم اور ایمان محکم سے عبارت اور جرأت وبہادری کے ساتھ ان کی ذات میں تواضع و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

پیدائش اور نام و نسب

مولانا سمیع الحق شہید ۸؍ستمبر ۱۹۳۷ء کو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے گھر اکوڑہ خٹک میں پیدا ہوئے، آپ کے آباء واجداد سلطان محمود غزنویؒ کے دور میں دوسرے مجاہدین کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے اور پھر اکوڑہ خٹک میں مستقل سکونت اختیار کر لی، آپ کا تعلق ایک علمی گھرانے سے ہے، یہ خاندان کئی پشتوں سے گراں قدر دینی و ملی خدمات انجام دیتا چلا آرہا ہے۔

تعلیم وبیعت

مولانا نے پرائمری تک عصری تعلیم اپنے ہی گاؤں میں والد محترم مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ انجمن تعلیم القرآن اسلامیہ پرائمری اسکول میں حاصل کی، دینی تعلیم ابتدائی درجات سے لے کر درجات عالیہ تک جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں حاصل کی، ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی، اس کے بعد شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ سے دورۂ تفسیر کیا اور سند فراغت حاصل کی، اس دوران حضرت لاہوریؒ سے بیعت و ارشاد کا تعلق بھی قائم ہوا، جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے سند فراغت کے حصول کے علاوہ بعض دوسرے علماء کرام سے بھی آپ نے اعزازی سند اور اجازت حدیث حاصل کی۔

تدریس کتب

تعلیم سے فراغت کے معاً بعد ۱۹۵۸ء کو جامعہ دارالعلوم حقانیہ ہی میں درس و تدریس کا آغاز کیا اور جلد ہی خداداد صلاحیتوں کی بدولت ابتدائی کتب سے کتب حدیث کی تدریس تک پہنچ گئے جو تادم شہادت جاری وساری رہی۔

مولانا مرحوم کے والد محترم حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگردوں میں تھے، اور حدیث شریف کے عظیم استاذ تھے، ان کی جگہ ان کے نامور وباکمال فرزند مولانا سمیع الحق شہیدؒ نے لی، اور مختلف علمی، دینی وملی میدانوں میں ان کی جانشینی کا حق ادا کیا۔

اردو ماہنامہ 'الحق'

درس وتدریس کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ۱۹۶۵ء میں آپ نے ماہنامہ 'الحق' کے نام سے ایک دینی وعلمی وقیع جریدہ کا آغاز کیا، جسے جلد ہی اندرون و بیرون ممالک میں مقبولیت و پذیرائی حاصل ہوگئی، جو آج بھی جانب منزل باوقار انداز میں جاری وساری ہے۔

اس ماہنامہ رسالہ میں وہ علمی، فکری اور دینی و اصلاحی مضامین ومقالات شائع کرتے تھے، جو حالات اور مسائل کی طرف بڑی رہنمائی کرنے والے تھے، اور خاص طور پر 'تعمیر حیات' میں شائع ندوی فضلاء کے مضامین کو وقفہ وقفہ سے بڑے اہتمام سے جگہ دیتے تھے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ جن مجلات ورسائل کو دیکھنا پسند کرتے اور ان کا انتظار رہتا، ان میں مولانا سمیع الحق شہید کا یہ رسالہ 'الحق' بھی تھا، جو خاص دینی وملی خصوصیات کا حامل تھا۔

مؤتمر المصنفین

آپ نے اسلامی علوم کے نشر واشاعت کے لیے تصنیف وتالیف کا ایک اعلیٰ تحقیقی ادارہ مؤتمر المصنفین قائم کیا، جہاں سے اب تک بیسیوں کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، فتاویٰ حقانیہ کے علاوہ خطبات مشاہیر اور مکتوبات مشاہیر اہم مطبوعات شائع ہو چکے ہیں۔

تلامذہ

آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے جو دنیا بھر میں دین اسلام اور ملک وملت کی خدمات میں مصروف عمل ہیں جن میں بڑی عظیم ہستیاں بھی ہیں جو ملک کے اہم مدارس اور اداروں میں اپنی زریں خدمات کے حوالے سے معروف ہیں۔

پارلمانی خدمات

۱۹۸۱ء میں ملک کے سب سے بڑے ادارہ وفاقی کونسل (مجلس شوریٰ) کے ممبر منتخب ہوئے، اس دوران اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے بھرپور جدوجہد کی اور بڑی حد تک کامیاب بھی رہے، ۱۹۸۵ء میں پارلیمنٹ کے ایوان بالا سینٹ کے رکن منتخب ہوئے اور ۶؍سال پورے ہونے پر دوبارہ سینٹ کی خصوصی سیٹ پر کامیاب ہوئے، بارہ سال آپ عمل پیہم اور جہد مسلسل کے ساتھ ملک وملت کی خدمت میں مصروف رہے۔

جنرل محمد ضیاء الحق شہید مرحوم کے دور مارشل لاء میں آپ کو وفاقی مجلس شوریٰ کا ممبر نامزد کیا گیا، اس دوران زکوٰۃ وعشر، قصاص ودیت اور امتناع قادیانیت آرڈیننس کے نفاذ اور آئین میں بے شمار اسلامی شقوں اور دفعات کے شمول و انضمام آپ کی شبانہ روز جدوجہد کا بڑا دخل رہا۔

اسی طرح آپ نے کئی تحریکوں میں بھرپور حصہ لیا، صدر ایوب کے دور میں جب ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے ماڈرن ازم کا فتنہ اٹھایا تو آپ نے ماہنامہ 'الحق' کے ذریعہ صدائے حق بلند کی اور مضبوط تعاقب کیا، ۱۹۷۳ء کے دستور کی تدوین میں آپ نے مولانا عبدالحق، مفتی محمود اور مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہم اللہ کی بھرپور معاونت کی۔

۱۹۷۴ء میں جب تحریک ختم نبوت چلی تو آپ نے مذکورہ بالا بزرگوں کے ساتھ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، مفتی محمود رحمہ اللہ نے قومی اسمبلی میں امت مسلمہ کی ترجمانی کرتے ہوئے قادیانیت کے بارے میں 'ملت اسلامیہ کا موقف' سنایا، جس کو مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اور مولانا مرحوم نے مل کر مرتب کیا تھا۔

تحریک تحفظ مدارس دینیہ

۱۹۹۴ء میں جب بے نظیر بھٹو حکومت میں دینی مدارس پر بے بنیاد الزامات لگانے، مدارس کی انکوائریاں اور تحقیقات کرانے کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ نے یکم جنوری ۱۹۹۵ء کو لاہور میں تمام مکاتب فکر کے علماء اور ارباب مدارس کو جمع کر کے 'تحریک تحفظ مدارس دینیہ' قائم کی اور اللہ کے فضل وکرم سے حکومت کے ناپاک عزائم شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکے۔

ملی یکجہتی کونسل

۱۹۹۶ء میں جب پاکستان میں فرقہ واریت کی آگ بھڑک اٹھی اور حکومتی سطح پر امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کی تکمیل کی سازشیں شروع ہوئیں تو اس نازک وقت میں آپ نے تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے 'ملی یکجہتی کونسل' قائم کی، جس کے آپ سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔

تحفظ ناموس رسالت

یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں، وہ اپنے نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اپنے والدین، ازواج واولاد اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبت کرتے ہیں، اور ان کی شان اقدس میں ذرہ برابر بھی توہین وگستاخی برداشت نہیں کرسکتے، وقفہ وقفہ سے جب بھی اہانت رسالت کا ادنیٰ سا بھی واقعہ دنیا کے کسی خطہ میں رونما ہوتا ہے تو مسلمان اس گستاخی پر سخت ردعمل ظاہر کرتے اور مظاہرے کرتے ہیں۔

شہادت وتدفین

پاکستان میں کچھ عرصہ سے ناموس رسالت قانون کے حوالے سے ناگوار سلسلہ چل رہا ہے، ۲۰۰۹ء میں آسیہ نامی ایک مسیحی خاتون نے توہین رسالت کا جرم کیا، جس پر پاکستان کی عدالتوں میں کیس چلا، دو عدالتوں نے سزائے موت کا فیصلہ سنایا، مگر جب سپریم کورٹ آف پاکستان میں اپیل کی گئی تو ۳۱؍اکتوبر ۲۰۱۸ء کو اسے بری کردیا گیا، جس پر پورے ملک میں ایک تشویش پھیل گئی، عوام احتجاج کے لیے سڑکوں پر نکل آئی، مولانا سمیع الحق شہید بھی تحفظ ناموس رسالت کے لیے میدان میں آگئے، اکوڑہ خٹک میں احتجاجی ریلی میں آپ نے اپنے جذبات کا اظہار کیا اور بہت سخت الفاظ میں اس فیصلہ پر تنقید کی، پھر ۲؍نومبر کو دارالحکومت کے احتجاج میں شرکت کے لیے گھر سے نکلے، راستے بند ہونے کی وجہ سے اسلام آباد نہ پہنچ سکے تو راولپنڈی کے بحریہ ٹاؤن میں اپنی رہائش پر بغرض آرام تشریف لے گئے، آپ کے خدام کسی کام کے سلسلہ میں آپ کو گھر پر چھوڑ کر باہر چلے گئے، عصر کے بعد جب وہ گھر واپس آئے تو مولانا کو بستر پر خون میں لت پت پایا، فوراً داخل ہسپتال کیا گیا، مگر آپ جان کی بازی ہار چکے تھے اور مالک حقیقی سے جاملے اور شہادت آپ کا مقدر ہوچکی تھی۔

اگلے روز نماز جنازہ وتدفین میں صلحاء، علماء و طلباء، قائدین ملت، سیاسی لیڈران اور عوام الناس نے اتنی بڑی تعداد میں شرکت کی، جو ملک پاکستان کی شخصیات کے جنازوں میں کم دیکھنے کو ملی ہے، یہ تعداد آپ کی مقبولیت عند اللہ وعند الناس کی ایک دلیل تھی، آپ نے ساری زندگی دین اسلام کی خدمت اور ملک وقوم کے تحفظ میں گزاری، سعادت بھری زندگی گزار کر جام شہادت نوش فرماگئے، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے، اور اعلیٰ علیین میں مقام عالی عطا کرے، آمین۔

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

● ..... مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: بہت سے لوگ کاروبار کے لیے بینک سے قرض لیتے ہیں جسے قسط وار ہر ماہ ادا کرتے ہیں، اس قرض کو سود کے ساتھ واپس کرنا ہوتا ہے، کیا اس طرح سودی قرض لینا جائز ہے؟

جواب: جیسے سود کا لینا حرام ہے، اسی طرح شدید مجبوری کے بغیر سود دینا بھی حرام ہے، اس لیے محض کاروبار کو وسعت دینے اور کاروبار کو بڑھانے کے لیے سودی قرض لینا جائز نہیں جو شخص بے روزگار ہو اور کوئی ذریعہ معاش نہ ہو، اسی طرح کسی اور ضرورت کے تحت بہت مجبور شخص کے لیے سودی قرض لینے کی گنجائش ہے: "ویجوز للمتحاج الا ستقراض بالربح".

[الاشباہ والنظائر: ص۱۴۹]

سوال: زید نے ایک غیر مسلم سے چند سال پہلے کچھ تعمیری اشیاء ادھار لی تھیں، بعد میں کچھ رقم ادا کردی گئی لیکن کچھ رقم باقی رہ گئی جوادا نہ ہوسکی، بعد میں اس دوکان کا کچھ پتہ نہیں چل سکا کیونکہ دوکان برخاست ہوگئی، مالک دوکان کا بھی کچھ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ ہے بھی یا نہیں، اب اس رقم کا کیا جائے؟

جواب: اولاً تو حتی الامکان اس شخص کو تلاش کرنے کی کوشش کریں، اگر نہ مل پائے تو اتنے پیسے صدقہ کردیں لیکن یہ نیت رکھیں کہ آئندہ اگر اصل مالک سے ملاقت ہوگئی تو اسے ادا کردیں گے جیسا کہ گمشدہ اشیاء ملنے کا حکم ہے کہ اگر صدقہ کردیا ہو اور بعد میں اصل مالک دستیاب ہوگیا تو اس سے اس کا بدل ادا کرنا واجب ہے۔

[الہدایہ: ج۲/ص۶۱۵]

سوال: اگر کسی کو قرض حسنہ دیا جائے تو کیا اس قرض کے بارے میں کاغذ پر لکھ لینا بہتر ہے، اس سلسلے میں شرعی احکام کیا ہیں اور سنت رسولؐ سے کیا اس کا کوئی جواز ملتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب ایک مقررہ مدت کے لیے دین کا معاملہ کرو تو اسے قید تحریر میں لے آؤ: "اِذَاتَدَایَنتُم بِدَیْنٍ اِلَی اَجَلٍ مُسَمّی فَاکْتُبُوْہُ" اس سے اختلاف ونزاع کے مواقع کم ہوجاتے ہیں، اسی لیے قرض کو لکھ لینا بہتر ہے اور لوگوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ ایسی تحریر میں لکھنے کا مقصد بے اعتمادی نہیں ہے بلکہ معاملات کی صفائی ہے۔

سوال: ہم لوگ یہاں خدمت خلق کے نقطۂ نظر سے کچھ سامان رکھ کر بلاسودی قرض دیتے ہیں، لوگ سامان رکھ کر برسوں نہیں آتے ہیں، انتظار کے بعد ہم انہیں فروحت کردیتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

جواب: آپ قرض دیتے وقت ان سے لکھوالیا کریں کہ: "اگر میں نے مقررہ تاریخ پر قرض ادا نہیں کیا تو ادارہ کو حق ہوگا کہ وہ میرا رہن رکھا ہوا سامان فروخت کرکے اپنا قرض وصول کرلے"، ایسی صورت میں آپ کے لیے یہ بات جائز ہوگی کہ سامان رہن فروخت کردیں اور قرض وصول کرلیں اور باقی رقم محفوظ کردیں، جب وہ آئے تو اسے ادا کردیں، رہن رکھنے والا مقروض ہی سامان کا اصل مالک ہوتا ہے، اس لیے جب تک اس کی اجازت نہ ہو سامان فروخت نہیں کیا جاسکتا: "ولیس للمر تھن ان یبیعه الا برضاء الراھن لانه ملکه و مارضی بیعه".

[الہدایہ علی ہامش فتح القدیر: ج۵/ص۵۳۸]

سوال: ایک شخص زیوارت کی دکان کا مالک ہے، اسے ایک بینک میں سونے کے زیورات جو گروی رکھے جاتے ہیں، انہیں کسوٹی پر پرکھنے اور اصلی ونقلی کی پہچان کرنے پر کمیشن ملتا ہے، کیا بینک سے ملنے والا کمیشن درست ہوگا یا نہیں؟ کیا اسے اپنے مصارف پر صرف کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: کسوٹی پر پرکھنے اور اصلی ونقلی پہچان کرنے کی اجرت لینا تو جائز ہے لیکن سودی بینک کی پوری آمدنی بنیادی طور پر سودی آمدنی ہوتی ہے، اس لیے بینک سے اس طرح کی اجرت لینا جائز نہیں۔

سوال: ایک شخص نے ایک مکان کرایہ پر لیا، بعد میں معلوم ہوا کہ مالک مکان کا سودی کاروبار ہے تو کیا اس کے لیے اس مکان کو کرایہ پر لینا درست ہے یا اسے مکان خالی کردینا چاہیے؟

جواب: اگر اس نے کسی جائز مقصد کے لیے مکان کرایہ پر لیا ہے تو مالک مکان کی سود خوری سے کرایہ دار کا کوئی تعلق نہیں ہے، اس لیے اس کا مکان بطور کرایہ لینا درست ہے۔

سوال: ہاؤس ٹیکس، بے جا بجلی بل اسی طرح GST میں سودی رقم دینا کیسا ہے؟

جواب: یہ وہ مدات ہیں جن سے انسان خود فائدہ اٹھاتے ہیں مثلاً ہاؤس ٹیکس، سڑک، پانی سپلائی یا سیوریلائن وغیرہ کی سہولت کے بدلہ میں لیا جاتا ہے، اسی طرح جی ایس ٹی ہر شے سے استفادہ کی صورت میں لگتی ہے، اس لیے ان میں سودی رقم دینا اپنے مفاد میں استعمال کرنا ہے جو جائز نہیں ہے؟

☆☆☆☆☆

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.